صرف احباب جماعت کی تعلیم وتربیت کے لیے

# انٹرنیشنل پیغامِ صُلح

مدیر: مدثر عزیز

قیمت فی پرچہ -/5 یورو

فون: +49-308735703

Email: generalsecretaryaaiil@gmail.com

احمدیہ انجمن لاہور (جرمنی) کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔

جلد نمبر 07 | 2 محرم الحرام تا 2 صفر المظفر 1444 ہجری یکم اگست تا 31 اگست 2022ء | شمارہ نمبر 15-16

ارشادات حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ (مجدد صدچہاردہم)

## لوگو! خدا سے ڈرو اور اس سے صلح کر لو

اے لوگو! خدا سے ڈرو۔ اور در حقیقت اس سے صلح کر لو، اور سچ مچ صلاحیت کا جامہ پہن لو، اور چاہیے کہ ہر ایک شرارت تم سے دور ہو جائے۔ خدا میں بے انتہا عجیب قدرتیں ہیں۔ خدا میں بے انتہا طاقتیں ہیں۔ خدا میں بے انتہا رحم اور فضل ہے۔ وہی ہے، جو ایک ہولناک سیلاب کو ایک دم میں خشک کر سکتا ہے۔ وہی ہے جو مہلک بلاؤں کو ایک ہی ارادے سے اپنے ہاتھ سے اٹھا کر دُور پھینک دیتا ہے۔ مگر اس کی یہ عجیب قدرتیں اُن ہی پہ کھلتی ہیں جو اس کے ہی ہو جاتے ہیں اور وہی یہ خوارق دیکھتے ہیں۔ جو اس کے لئے اپنے اندر ایک پاک تبدیلی کرتے ہیں، اور اس کے آستانے پر گرتے ہیں۔ اور اس قطرے کی طرح جس سے موتی بنتا ہے۔ صاف ہو جاتے ہیں۔ اور محبت اور صدق اور صفا کی سوزش سے پگھل کر اس کی طرف بہنے لگتے ہیں۔ تب وہ مصیبتوں میں ان کی خبر لیتا ہے اور عجیب طور پر دشمنوں کی سازشوں اور منصوبوں سے انہیں بچا لیتا ہے۔ اور ذلت کے مقاموں سے انہیں محفوظ رکھتا ہے۔ وہ ان کا متولی اور متعہد ہو جاتا ہے وہ ان مشکلات میں جبکہ کوئی انسان کام نہیں آ سکتا ان کی مدد کرتا ہے اور اس کی فوجیں اس کی حمائیت کے لئے آتی ہیں۔ کس قدر شکر کا مقام ہے کہ ہمارا خدا کریم اور قادر خدا ہے۔ پس کیا تم ایسے عزیز کو چھوڑ دو گے؟ کیا اپنے نفس ناپاک کے لئے اس کی حدود کو توڑ دو گے۔ ہمارے لئے اس کی رضامندی میں مرنا ناپاک زندگی سے بہتر ہے۔

اداریہ

# نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی معاونت ہی قومی ترقی کی راہ

''اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ اور اللہ کا تقویٰ کرو اللہ ( بدی کی ) سزا دینے میں سخت ہے۔'' (المائدہ:2)

دین اسلام نے سماج کے افراد کو ہر قسم کے آداب معاشرت سے آراستہ کیا اور ان کے اندر باہمی تعاون اور احساس ذمہ داری کے شعور کو بیدار کیا ہے، انہیں یہ تصور دیا کہ معاشرہ کے کچھ مشترکہ مقاصد ہیں جنہیں فرد واحد پورا نہیں کر سکتا، انسان اپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل بھی تنہا نہیں کر سکتا وہ ہر معاملہ میں دوسرے افراد کے تعاون کا محتاج ہے۔ لیکن تعان کے متعلق بھی واضح کر دیا کہ تعاون بھی ''بر'' یعنی نیکی اور تقویٰ کے معاملہ میں ہوگا۔ بر سے مراد ہر وہ نیک کام ہے جس کے کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے اور تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ ہر اس کام سے بچا جائے جس سے شریعت نے روکا ہے۔

اور جن کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون اور مدد نہیں کرنی اس کا بھی بتا دیا کہ وہ ''اثم'' اور عدوان ہیں۔ اِثم سے مراد گناہ ہے اور عُدوَان سے مراد ظلم اور زیادتی ہے، دراصل اثم اور عدوان میں ہر وہ چیز شامل ہے جو گناہ اور زیادتی کے زمرے میں آتی ہو۔

اگر ''بر'' کو عملی مثالوں سے سمجھنا ہو تو دین کی اشاعت میں وقت، مال، درس و تدریس اور تحریر وغیرہ سے ایک دوسرے کی مدد کرنا، دین اسلام کی دعوت اور اس کی تعلیمات دنیا کے ہر گوشے میں پہنچانے کے لئے باہمی تعاون کرنا، اپنی اور دوسروں کی عملی حالت سدھارنے میں کوشش کرنا، سماجی خدمات سب اس میں داخل ہیں۔ اور تقویٰ کا مفہوم تو وسیع ہے کہ ہر برائی سے اپنے دامن کو بچانا اور اس میں تعاون یہ ہے کہ دوسروں کو بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا ہے۔

اسی طرح اثم اور عدوان کی عملی مثالوں میں کسی کا حق مارنے میں دوسروں سے تعاون کرنا، رشوتیں لے کر فیصلے بدل دینا، جھوٹی گواہیاں دینا، بلاوجہ کسی کو پھنسا دینا، ظالم کا اس کے ظلم میں ساتھ دینا، حرام و ناجائز کاروبار کرنے والی کمپنیوں میں کسی بھی طرح شریک ہونا، بدی کے اڈوں میں نوکری کرنا وغیرہ جیسے امور شامل ہیں۔

تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کی فلاح و بہبود کا ایک سنہرا اصول عطا فرمایا کہ آپسی تعلقات خواہ سماجی و ملی ہوں یا قومی و بین الاقوامی، ان کی بنیاد یہی ہو کہ **وتعاونو علی البر والتقویٰ**۔ صرف نیکی و پرہیزگاری، خیر و بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کیا جائے **ولا تعاونو علی الاثم والعدوان** یعنی ہر قسم کی برائی، بے حیائی، فحش اور گناہوں کے کاموں میں قطعاً کسی کا تعاون نہ کیا جائے۔

حضرت مسیح موعودؑ اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''پس یہ دستور ہونا چاہیے کہ کمزور بھائیوں کی مدد کی جائے اور ان کو طاقت دی جاوے۔ یہ کس قدر نامناسب بات ہے کہ دو بھائی ہیں۔ ایک تیرنا جانتا ہے اور دوسرا نہیں۔ تو کیا پہلے کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ وہ دوسرے کو ڈوبنے سے بچاوے یا اس کو ڈوبنے دے۔ اس کا فرض ہے کہ اس کو غرق ہونے سے بچائے۔ اسی لئے قرآن شریف میں آیا ہے: وتعاونو علی البر والتقویٰ

کمزور بھائیوں کا بار اُٹھاؤ۔ عملی ایمانی اور مالی کمزوریوں میں بھی شریک ہو جاؤ۔ بدنی کمزوریوں کا بھی علاج کرو۔ کوئی جماعت جماعت نہیں جب تک کمزوروں کو طاقت والے سہارا نہیں دیتے اور اس کی یہی صورت ہے کہ اُن کی پردہ پوشی کی جاوے۔ صحابہ کو یہی تعلیم ہوئی کہ نئے مسلموں کی کمزوریاں دیکھ کر نہ چڑو، کیونکہ تم بھی ایسے ہی کمزور تھے۔ اسی طرح یہ ضروری ہے کہ بڑا چھوٹے کی خدمت کرے اور محبت ملائمت کے ساتھ برتاؤ کرے۔ دیکھو وہ جماعت جماعت نہیں ہو سکتی جو ایک دوسرے کو کھائے''۔

(ملفوظات جلد دوم)

☆☆☆☆

# تقریر برموقع دورہ سنگاپور

## فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

## مورخہ 15 اپریل 2017ء (اعادہ)

**''اللہ بے انتہا رحم والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے**

**''سب تعریف اللہ کے لئے ہے (تمام) جہانوں کے رب، بے انتہا رحم والے، بار بار رحم کرنے والے، جزا کے وقت کے مالک (کے لئے) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں تو ہم کو سیدھے رستے پر چلا، اُن لوگوں کے رستے (پر) جن پر تُو نے انعام کیا نہ اُن کے جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کے'' (سورۃ الفاتحہ)**

**ترجمہ: ''اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور انہیں جو تم سے پہلے تھے تا کہ تم متقی ہو جاؤ۔ وہ جس نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا اور آسمان کو عمارت اور اوپر سے پانی اتارا۔ پھر اس کے ساتھ تمہارے لئے پھلوں سے رزق نکالا۔ پس تم اللہ کے ہمسر نہ ٹھہراؤ اور تم جانتے ہو۔'' (سورۃ البقرہ آیت 21.22)**

مجھے بے حد خوشی ہو رہی ہے کہ آپ سے تین سال بعد پھر سے ملاقات ہو رہی ہے۔ کچھ لوگوں سے میں پہلے مل چکا ہوں اور نئے شامل ہونے والوں کو میں خوش آمدید کہتا ہوں۔ پچھلے دس دنوں سے میں انڈونیشیاء کا دورہ کر رہا تھا اور کل سنگاپور میں شوکت علی صاحب کے ہمراہ (جو ایشیاء پیسفک Pacific کی جماعتوں کے انجمن کی جانب سے نمائندہ مقرر ہیں) پہنچا۔

آپ کے علم بڑھانے اور مختلف دینی پہلوؤں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے شوق کی میں قدر کرتا ہوں۔ کل جکارتہ سے روانہ ہونے سے پہلے میں ایئرپورٹ پر شوکت علی صاحب کے ہمراہ تھا جہاں عبدالغفار صاحب کی خواہش کہ میں ''قدرت کے پہلو جو قرآن میں آئے ہیں'' ان پر اظہار خیال کروں۔ چونکہ عبدالغفار صاحب کی وساطت سے ہی آج کی تقریب ممکن ہوئی ہے۔ ان کی خواہش کو میں اپنی تقریر میں ضرور زیرِ غور رکھوں گا لیکن اس میں اپنی خواہش اور سنگاپور کے دورہ کا مقصد بھی شامل کروں گا۔

### الحمد اللہ کا مفہوم

آج کی تقریر میں سب سے پہلے میں نے سورۃ الفاتحہ اور اس کے بعد سورۃ البقرہ کی آیات 21 اور 22 تلاوت کیں۔ **قرآن کا آغاز الحمد اللہ سے ہوتا ہے۔ جس کا مفہوم شکر ادا کرنے یا تعریف کرنے کے ہیں۔ یہ شکر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی ہدایت کے لئے رسولوں کی بعثت جس کا سلسلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر قطعی ختم ہو گیا۔ اس کے علاوہ قرآن جیسے ہدایت نامہ کے نزول کا شکر جو تا قیامت اللہ کی آخری ہدایت اور کتاب رہے گی۔** شکر کا لفظ روزمرہ زندگی میں استعمال ہونے والا تعریف کا اظہار نہیں کیونکہ تعریف تو کسی کو خوش کرنے یا کوئی مقصد حاصل کرنے کے لئے کی جاتی ہے۔ ہم روزمرہ زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ کسی سے فائدہ اُٹھانے کے لئے بھی کیا کیا تعریفوں کے پل باندھے جاتے ہیں۔

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی ؒ نے **تعریف کا مفہوم یوں بیان کیا ہے کہ کسی ایسی ہستی کی تعریف کی جائے جو واقعی تعریف کے لائق ہو اور اس میں تعریف کرنے والے کے دل میں سوائے اس ہستی کے حمد کرنے کے اور کوئی ذاتی خواہش نہ ہو۔** یہ ہستی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے جو تمام صفات کا

مالک اور تمام تعریفوں کے قابل ہے۔

شکر گزاری اور تعریف کے علاوہ الحمد اللہ کا تیسرا مفہوم اس کی رضا کے آگے سر جھکا دینا اور اس کے فیصلوں کو قبول کر لینا بھی ہے **اللہ کی مرضی کی وجہ سے فائدہ ہو تو بھی الحمد اللہ کہنا اور اگر نقصان ہو تو بھی الحمد اللہ کہنا اور اس چیز کا احساس رکھنا کہ جو بھی اللہ کی طرف سے انسان کو پیش آئے وہ اس کی بہتری کے لئے ہو رہا ہے۔** ہم جو تعریف کر رہے ہیں وہ رب العالمین کی کر رہے ہیں۔

## رب العالمین کا مفہوم

جس مضمون پر مجھے اظہار خیال کرنے کو کہا گیا ہے اس کی تمہید میں یوں بیان کرتا ہوں کہ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ کی ہستی رب العالمین بیان کی گئی ہے اور یوں قرآن کے شروع ہی میں رب العالمین کہہ کر انسان کی توجہ خدا تعالیٰ کی تخلیق اور ربوبیت کی طرف مبذول کروائی گئی ہے۔ **رب العالمین ایسی اصطلاح ہے جس میں تمام کائنات شامل ہو جاتی ہے۔ ایک چھوٹے سے خلیہ سے لے کر تمام عالمین اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔** چاہے وہ انسان ہوں، حیوانات ہوں، نباتات ہوں یا اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ تمام کائنات اور اُس میں شامل سب چیزیں ہوں۔ یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایک رنگ، نسل، قوم، فرقہ، مذہب کا رب نہیں، صرف نباتات یا حیوانات کا رب نہیں، بلکہ جو چیز اس نے تخلیق کی اس کا بھی رب ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق جہاں یہودیوں میں 72 فرقے ہیں وہاں اسلام 73 فرقوں میں بٹ جانے کا ذکر بھی ہے اور ہر فرقہ اپنے تئیں بہترین سمجھنے کا بھی ذکر ہے۔ آج کے دور میں ہر فرقہ اپنے آپ کو بہترین تصور کرتا ہے اور یہاں تک کہ دوسروں کو کافر کہنے اور بموں سے اُڑا دینے کو بھی کارِ ثواب سمجھا جاتا ہے۔

**قرآن میں کہیں بھی رب المسلمین اور رب المومنین کا ذکر نہیں آیا۔** قرآن کے نزول کے زمانہ میں ہم تصور کر سکتے ہیں کہ رب العالمین کا تصور کتنا محدود ہوگا، کچھ کے لئے مکہ مدینہ اس کے گرد و نواح کے مقامات جن کے اوپر آسمان جس میں چاند، سورج اور ستارے قائم ہیں اور جیسے جیسے سفر کی سہولتیں مہیا ہوتی گئیں تو یہ تصور بھی بڑھتا گیا۔ اُس زمانہ میں سفر کے ذرائع صرف اونٹ اور کشتیاں تھیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: **''اور اسی کی کشتیاں ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اُٹھی ہوئی ہیں۔'' (سورۃ الرحمٰن آیت 24)**

اگر ہم غور کریں تو اس وقت ایسی کونسی کشتیاں ہوں گی جن کی تشبیہہ پہاڑوں سے دی جاری ہے۔ آج اگر ہم دیکھیں تو بہت بڑی کشتی ٹائیٹینک Titanic بنائی گئی جس کے متعلق دعویٰ کیا گیا کہ یہ کبھی نہ ڈوبنے والی کشتی ہے۔ اُس کی ساخت اُس وقت پہاڑ کی مانند نظر آتی تھی مگر اس انسانی دعویٰ کو اللہ تعالیٰ نے غلط ثابت کیا اور ایک پہاڑ نما برف کے تودے کے ساتھ ٹکرا کر تباہ کر دیا۔ اس صدی میں اگر ہم اس Titanic جہاز کا مقابلہ کوئین الزبت 2 لائنر کے ساتھ کریں تو اس کو یوں تصور کریں کہ جیسے اس دفتر کی میز پر اس کتاب کے مقابلہ میں باقی کی میز کھڑی کر دی جائے۔ یہ واقعی پہاڑ نما کشتی ہے اور آگے نہ جانے کیسی کیسی کشتیاں سمندر میں نظر آئیں گی۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اس کو عالمین کا علم حاصل کرنے کے لئے دماغ اور تمام ذرائع عطا فرمائے ہیں۔ آج کے دور میں انسان خلاء میں دور دور تک سائنسی تحقیقات بھی کر رہا ہے اور خلاء میں سفر بھی ممکن بنا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: **''اے جنوں اور انسانوں کے گروہ اگر تمہیں طاقت ہے کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ، تو نکل جاؤ۔ تم نہیں نکل سکتے، مگر غلبہ کے ساتھ۔'' (سورۃ الرحمٰن آیت 34)**

چاند پر انسان نے جب قدم رکھا تو اس آیت کی محدود سی تشریح کرنے کے بعد چند علماء کرام نے یہ یقین کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ ممکن ہو چکا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جہاں فرمایا **''تم نہیں نکل سکتے''** وہاں فوراً یہ بھی کہا **''مگر غلبہ کے ساتھ''** ایک طریقہ سے راہ دکھا دی کہ **کیسے Force of gravity** پر

**آئندہ آنے والے زمانوں میں نکل جانا ممکن ہو جائے گا۔**

## قدرت میں ربوبیت کا مظاہرہ

آج خلاء میں انسانی تحقیقات جاری ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی شان روز بروز واضح ہو رہی ہے۔ رب کا مفہوم تدریجاً بتدریجاً کسی چیز کو کم تر حالت سے اس کی اعلیٰ حالت تک لے جانا ہے۔ سائنسی تحقیق کے مطابق ابھی کائنات بڑھتی جا رہی ہے بلکہ آج کل Multi universe یعنی متعدد عالمین کا تصور پیش ہو رہا ہے اور غور کیا جائے تو قرآن میں رب العالمین میں جمع کا صیغہ ہی استعمال ہوا ہے۔

**دین کی اصلی غرض انسان کو خدا شناس بنانا ہے۔ یہاں تک کہ بندہ انسان کو روحانی آنکھ سے دیکھ سکے۔ اس کا قرب محسوس کر سکے اور اس کا دوست کہلانے کے قابل بن جائے۔** اگر روحانی طور پر اللہ کو دیکھنا ممکن نہ ہوتا تو پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیوں فرماتے کہ نماز ادا کرو کہ **جیسے تم اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ روحانی آنکھ سے اللہ کو دیکھنا ممکن ہے۔**

## عبادت کا مفہوم

سورۃ البقرہ کی پہلی تلاوت شدہ آیت میں قرآن کا پہلا حکم **''اے لوگو! اللہ کی عبادت کرو''** آتا ہے۔ **عبادت کا مفہوم سمجھنا بہت ضروری ہے۔** اس کا مطلب صرف پانچ نمازیں ادا کر لینا یا روزے رکھ لینا ہی نہیں بلکہ **ایسی زندگی بسر کرنا ہے جس میں انسان کا ہر فعل اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہو نہ کہ جنت کی لالچ یا دوزخ کے ڈر سے۔** عربی میں عبد، عبدیت، عبادت کی جڑ ع۔ب۔د ہے۔ عبد ایک ریگستان میں اُگنے والے پھول کا نام ہے جس کی خوشبو اُونٹ کو اپنی طرف مائل کرتی ہے اور وہ اس کو کھاتا ہے۔ اس کے اندر ایسے اجزاء پائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے اونٹ کو شدید پیاس لگتی ہے اور وہ 100 سے 150 لیٹر تک پانی پی جاتا ہے اور یہ سب پانی اس کے کوہان میں ذخیرہ ہو جاتا ہے اور یہی اس کے لئے ریگستان کے گرم اور لمبے سفر کو ممکن بناتا ہے۔

**عبد بننے کے لئے بھی اپنے اندر وہ پیاس پیدا کرنی پڑتی ہے کہ اللہ کی محبت انتہاء تک پہنچ جائے اور عبادات کا انسان پر وہ اثر ہو کہ اس کی اللہ سے محبت کی پیاس سیر نہ ہو سکے اور وہ اس سفر کو جس کو صراط المستقیم کہتے ہیں طے کر سکے حتیٰ کہ وہ اپنی منزل مقصود یعنی اللہ کی دوستی حاصل کرے۔**

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: **''عبادت کرو اپنے رب کی۔''** اس حکم پر عمل کرنا ہر انسان کی تخلیق کا مقصد ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا کہ **''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔'' (51:56)**

## عبادات اور قدرت کا تعلق

پہلی آیت میں عبادت کے ذکر کے بعد دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا **''وہ جس نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا اور آسمان کو عمارت اور اوپر سے پانی اُتارا پھر اس کے ساتھ تمہارے لئے پھلوں سے رزق نکالا۔''**

اس آیت میں قدرت کی طرف اشارہ ہے لہذا عبادت اور مشاہدات قدرت کا لازم جوڑ ہے۔ کسی شاہپارے سے ہی شاہکار کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس لئے قرآن میں متعدد مقامات پر قدرت کا مشاہدہ کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آسمان، زمین، بارش، نباتات کے اُگنے کا ذکر کر کے اس رحمت جو وہ انسانوں کے لئے نازل فرماتا ہے اور پھر اس کی وجہ سے ان کے دلوں کو زرخیز زمین کی طرح بناتے ہوئے اس کے پھل اُگاتا ہے جو اس کی روحانی نشو ونما کا ذریعہ بنتے ہیں۔ یہ روحانی بارش انبیاء علیہ السلام کے ذریعہ کتب اور صحیفوں کے نزول کے ذریعہ ہوتی رہی اور اللہ تعالیٰ کی طرف انسانوں کی توجہ دلاتی رہی۔

**ہر مسلمان پر فرض ٹھہرتا ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لائے جس کا مطلب ہے کہ وہ قرآن کریم کے ہر حکم پر عمل کرے اور لا الہ الا اللہ پر مکمل یقین رکھے اور اسی طرح احادیث نبویؐ پر عمل کرے کیونکہ جہاں کلمہ طیبہ میں لا الہ الا اللہ آتا ہے**

**ساتھ ہی محمد رسول اللہ بھی شامل ہے۔ یہ واضح رہے کہ وہ حدیث قرآن کی تعلیم کے مطابق ہو۔** قرآن ''لا ریب'' کتاب ہے لیکن بعض احادیث کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتب ہوئیں۔ ان میں انسانی یادداشت کی محدودیت ممکن ہوتی ہے۔ **قرآن کریم میں 700 کے قریب احکامات آئے ہیں اور حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ نے اپنی کتاب ''کشتی نوح'' میں فرمایا ہے کہ ان میں سے ایک پر بھی نہ عمل کرنے سے انسان کا ایمان کمزور ہو جاتا ہے۔**

جناب عبدالغفار صاحب نے جو آیت میری تقریر سے پہلے تلاوت فرمائی وہ سورۃ الحشر کی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

**''اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو تُو اسے اللہ کے خوف سے گرا ہوا پھٹا ہوا دیکھتا۔ اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ فکر کریں۔'' (سورۃ الحشر آیت 21)**

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خود واضح کر دیا کہ یہ مثال ہے یعنی قدرتی مشاہدات کو بیان کر دیا تاکہ انسان ان پر غور و فکر کرے۔ قرآن کا مقصد پہاڑوں کو گرانا نہیں بلکہ سخت دل لوگوں کے اندر اللہ کا خوف پیدا کرنا اور ان کو اللہ کے احکامات پر چلانا ہے۔ سخت دل لوگوں کو پہاڑ سے تشبیہ دی گئی ہے۔

## قلب کا مفہوم

قرآن کریم کا نزول رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر ہوا۔ قلب کا عموماً معنی دل کیا جاتا ہے لیکن سائنس کی تحقیق کی روشنی میں میرے خیال میں قلب دل کا وہ حصہ ہے جس کو سائنس دان Little Brain in the heart یعنی دل میں چھوٹا سا دماغ کہتے ہیں۔ آج کی تحقیق کے مطابق انسانی دل میں 60 ہزار نیورون پائے جاتے ہیں جن میں سوچ اور دماغ کے ساتھ رابطہ رکھنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ ہر نیک خیال بھی انسان کے دل سے اُٹھتا ہے اور بعد میں دماغ کے ساتھ سوچنے کے نتیجہ میں انسان اچھا یا بُرا فیصلہ کرتا ہے۔ مشاہدہ ہے کہ پہلا خیال ہمیشہ نیکی کی طرف مائل کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سورۃ الشعراء آیت 192 تا 195 میں فرماتا ہے:

**ترجمہ: ''اور یہ جہانوں کے رب کی طرف سے اُتارا ہوا ہے۔ جبرائیل امین اسے لے کر اترا ہے تیرے دل پر، تاکہ تو ڈرانے والوں میں سے ہو۔ کھول کر بیان کرنے والی عربی زبان میں''۔**

**قرآن کریم کے یہ پُر حکمت الفاظ کتنے حیران کن ہیں کہ قرآن وہ واحد آسمانی صحیفہ ہے جو اپنے اندر اپنا تمام تعارف رکھتا ہے یعنی کہ کس نے نازل کیا؟ کون لے کر آیا؟ کس کے قلب پر نازل ہوا؟ کیا مقصد لے کر آیا اور کس زبان میں اُتارا گیا؟ قرآن کے علاوہ کوئی ایسی کتاب نہیں جو اس تفسیر سے اپنا تعارف کروائے بلکہ بائبل میں تو بائبل کا نام تک نہیں پایا جاتا۔**

قرآن میں بار بار اس کتاب کا ذکر آیا ہے اور یہ مشاہدہ ہے کہ تقریباً تمام حروف مقطعات کے بعد قرآن کریم کا ذکر آتا ہے مثلاً آلمٓ ، ذالک الکتاب لاریب ..، طٰہٰ ما انزل علیک القرآن..، یسٓ والقرآن الحکیم ..۔ وغیرہ

## قرآن کریم کا پہاڑ پر نازل ہونے کا مفہوم

**قرآن کریم کے متعلق مثال کے طور پر آتا ہے کہ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو تُو اسے اللہ کے خوف سے گرا ہوا پھٹا ہوا دیکھتا۔** میں جب جوانی میں اس آیت کو پڑھتا تھا تو میرے دل میں اکثر یہ خیال گزرتا کہ **قرآن جس کے پہاڑ پر نزول سے پہاڑ پھٹ جائے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل ہوا تو اس سے رسول کریم صلعم کے دل کی روحانی طاقت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے 23 سال نزول القرآن کو اپنے قلب پر برداشت کیا۔**

دوسرا مفہوم یہ بنتا ہے کہ قرآن تمہارے لئے اُتارا گیا ہے تو پھر **کیا وجہ ہے کہ جب پہاڑ پر اس کا اتنا بڑا خوف ظاہر ہے تو پھر تمہارے دلوں پر اس کا اثر کیوں نہیں ہوتا؟** قرآن کا جو اثر دلوں پر ہوتا ہے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

ترجمہ:''اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام اتارا ہے (یعنی) کتاب جس کی باتیں ملتی جلتی دوہرائی گئی ہیں۔اس سے ان لوگوں کے دل کانپ اٹھتے ہیں جواپنے رب سے ڈرتے ہیں۔پھران کے بدن اوران کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے نرم ہوجاتے ہیں۔اس کے برعکس جولوگ مسلسل خدا کی نافرمانی کرتے رہتے ہیں ان کی مثال بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ:''پھرتمہارے دل اس کے بعد سخت ہوگئے،سو وہ پتھروں کی طرح ہیں بلکہ سختی میں اس سے بھی بڑھ کر،اور یقیناً پتھروں میں ایسے بھی ہیں جن سے نہریں بہتی ہیں اور بے شک ان میں ایسے بھی ہیں جو پھٹتے ہیں تو ان میں سے پانی نکلتا ہے اور بے شک ان میں ایسے بھی ہیں جو اللہ کے خوف سے گرجاتے ہیں۔۔۔(سورۃ البقرہ آیت 74)''

قدرت کے متعلق قرآن کی اس مثال میں یہ بتایا جارہا ہے کہ انسان کا دل چاہے پتھر سے بھی سخت ہوجائے پھر بھی اللہ کے رجوع کا راستہ کھلا رہتا ہے۔ جب انسان اللہ کی طرف رجوع کرے تو وہی دنیا کے لئے نہروں کی طرح سودمند بن جاتا ہے اور وہی اللہ کی عبادت میں اپنے آپ کو لگا دے اور اس کی آنکھوں میں سے پانی پھوٹ پڑے تو اس کی توجہ قبول کی جاتی ہے اور جوں جوں اللہ تعالیٰ کا خوف انسان کے دل میں بیٹھتا ہے توں توں وہ اللہ کے آگے جھکتا جاتا ہے اور اس کے خوف میں سربسجود رکھتے ہوئے قرب الٰہی حاصل کرتا ہے۔

تمام قدرتی مشاہدات جن کی مثال قرآن میں دی جاتی ہے۔ وہ ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے، کانوں سے سن سکے یا اپنے باقی اعصاب سے محسوس کرسکے۔قرآن کتاب ہدایت ہے اور اللہ تعالیٰ کے قدرتی مشاہدات نہ صرف انسان کی ہدایت کا ذریعہ بنتے ہیں بلکہ ان ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت اور خالقیت کا تصور بھی پیش کرتا ہے۔

اکثر لوگ مقطعات کا مطلب بیان نہیں کرتے اور احادیث کی رو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مقطعات بھی اپنے اندر معنی رکھتے ہیں اور یہ کہ یہ حروف الفاظ کے قائم مقام ہیں مثلاً 'الٓمٓ' کے معنی حضرت ابن عباسؓ سے 'انا اللہ اعلم' مروی ہیں یعنی اللہ بہت جاننے والا ہے۔مختلف تفاسیر میں مقطعات کے مختلف معنی درج ہیں۔ایک نظریہ کے مطابق مقطعات کا استعمال کرکے اللہ تعالیٰ نے منکرین کو چیلنج کیا ہے کہ حروف تہجی کے ذریعہ ہم نے قرآن مرتب کیا ہے تو آپ بھی چاہو تو انہی حروف تہجی سے اس کے مانند کلام لے آؤ۔قرآن کریم کی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 123 میں آتا ہے''اوراگر تمہیں اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر اُتارا ہے تو ایک سورۃ اس جیسی لے آؤ۔۔۔۔'' قرآن کے اس دعویٰ کا مقابلہ آج تک نہیں کیا جاسکا اور یہ قرآن کی سچائی کا ثبوت ہے۔

اللہ تعالیٰ سورۃ البقرہ کی آیت 25 میں فرماتا ہے:

''جولوگ ایمان لاتے ہیں اوراچھے کام کرتے ہیں ان کو خوشخبری دو کہ ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جب کبھی ان کو ان میں سے کوئی پھل رزق دیا جائے گا تو کہیں گے یہ وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا،اور انہیں ملتا جلتا (رزق) دیا جائے گا۔''

## جنت میں رزق اور پھل ملنے کا مفہوم

اس مثال میں اللہ تعالیٰ نے بھی قدرتی مشاہدات جو دیکھے جانے ممکن ہیں ان کی مثال دی ہے اور ساتھ ہی فرمادیا ہے کہ جنت میں جو رزق انسان کو ملے گا وہ اس سے ملتا جلتا ہوگا جو اس دنیا میں ایمان لانے والے اور اچھے عمل کرنے والوں کو نصیب ہو چکا ہوگا اور یہ رزق وہ ہے جو وہ لوگ اسی جہاں میں چکھ لیتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب،اس کی دوستی،اس کی طرف سے سچی خوابیں،الہامات اور کشوف کا آنا۔جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی زندہ ہستی پر اُسے یقین ہوتا ہے گویا کہ وہ خدا کو اسی جہاں میں روحانی آنکھ سے دیکھ لیتا

ہے۔ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے نور کو اسی جہاں میں پالیتے ہیں اور انہی کو اللہ تعالیٰ اپنے ولی کہتے ہوئے سورۃ البقرہ کی آیت 257 میں فرماتا ہے: **"اللہ ان لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لائے وہ ان لوگوں کو سخت اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔"** جس نور کی طرف اللہ اندھیروں سے نکال کر ان لوگوں کو لاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کا نور ہے۔ یہاں واحد کا صیغہ استعمال کر کے اللہ نے فرمایا کہ وہ واحد ہے۔اس نور کو پانے کے لئے قرآن کریم پر عمل اور رسول کریم صلعم کے نیک نمونہ پر چلنا ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔ وہ کتنا ہی عزت کا مقام ہے جہاں پر اللہ تعالیٰ انسان کو اپنا ولی یا دوست کہہ کر پکارے۔اس دنیاوی زندگی میں اگر کسی کی دوستی یا تعلق کسی معمولی افسر سے بھی ہو جائے تو وہ کتنا فخر محسوس کرتا ہے۔تو پھر اللہ کی دوستی کتنی کامیابی ہے اور وہ بغیر محنت اور مشقت کے حاصل نہیں ہوسکتی۔ **وہ اللہ جو پوری کائنات میں نہیں سماسکتا جب وہ کسی کو پسند فرماتا ہے تو اس کے دل میں سما جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ حقیقت ہے، زندہ ہے اور آج بھی اپنے بندوں سے کلام فرماتا ہے۔** اس پر جن لوگوں کو آج یقین نہیں رہا وہ خدا سے دور ہیں کیونکہ یہی واحد ذریعہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے زندہ ہونے کا ثبوت ہے۔ آج سے کچھ سال پہلے ٹائمز (Times) اور لائف (Life) رسالوں کے سرورق پر یہ لکھا پایا گیا کہ نعوذ باللہ "کیا خدا مر چکا ہے؟" (**Is God Dead?**)۔ یہ اس بات کا نتیجہ تھا کہ لوگوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اب خدا بولتا نہیں۔ جب بولے گا نہیں تو ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ وہ زندہ ہے۔ **باقی مذاہب میں تو اس کے بولنے کا تصور ہی نہیں مگر افسوس کہ مسلمانوں نے بھی خدا کے بولنے پر یقین چھوڑ دیا کیونکہ انہوں نے سمجھا کہ اس کے بولنے پر یقین کرنے سے یہ ماننا ہوگا کہ اب بھی وحی نبوت جاری ہے۔ یہ تصور سراسر غلط ہے** کیونکہ وحی نبوت یقیناً منقطع ہو چکی ہے مگر خدا کا بولنا وحی نبوت نہیں بلکہ وحی ولایت ہے اور وہ اسی طرح ہے جیسے قرآن سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کا لفظ شہد کی مکھی کے لئے بھی استعمال کیا ہے **"اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی۔۔۔"** (سورۃ النحل آیت 68)۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے ساتھ بھی کلام کیا۔ یہ کلام آج بھی اللہ تعالیٰ کی سنت میں شامل ہے۔اللہ تعالیٰ انسان سے آج بھی بولتا ہے جیسے کہ اللہ سورہ الشوریٰ کی آیت 51 میں فرماتا ہے:

**"اور کسی بشر کے لئے یہ میسر نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی سے یا پردہ کے پیچھے سے یا رسول بھیجے۔ پس اپنے حکم سے جو چاہے وحی کرے وہ بڑا بلند حکمت والا ہے۔"**

اللہ تعالیٰ سے کلام تب ہی ممکن ہوتا ہے جب اس کی مکمل عبدیت اختیار کی جائے۔ زندگی کا ہر پہلو یوں گزارا جائے جیسے کہ اُس کی منشاء ہے۔اور ہر چیز اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کی جائے۔اس کی رضا کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنے سے ہی اس کی آواز ہمارے کانوں میں سنی جاسکتی ہے۔اس کی مثال یوں ہے جیسے ریڈیو پر کسی سٹیشن کو تلاش کرنے کے لئے انسان کو وہ جگہ تلاش کرنی پڑتی ہے جہاں پر اس کی آواز سننی ممکن ہو سکے۔

## حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ نے دعویٰ نبوت نہیں کیا

**حضرت مرزا غلام احمد صاحب اس زمانے کے مجدد تھے اور انہوں نے تمام دنیا میں اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور اب بھی بندوں کے ساتھ کلام فرماتا ہے۔انہوں نے یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے انگنت موقعوں پر مکالمہ و مخاطبہ کیا۔ان کے اس دعویٰ سے لوگوں نے یہ غلط تاثر لیا کہ وہ وحی نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ جو انہوں نے ہرگز نہیں کیا۔** حضرت مرزا صاحب کا انسانیت پر احسان ہے کہ انہوں نے نہ صرف اسلام کو جب وہ شدید مشکلات میں سے گزر رہا تھا دفاع کیا بلکہ **اپنے خدا کو زندہ خدا ثابت کیا اور اپنے نبی خاتم النبیین صلعم کو زندہ نبی ثابت کیا۔ان کو جو الہامات ہوئے**

ان میں نبی اور رسول کے لفظ ضرور آئے مگر آپ نے نہ رسول ہونے اور نہ ہی نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ آپ نے ایک کتاب ''ایک غلطی کا ازالہ'' لکھی اور اس میں واضح کیا کہ نبی اور رسول کے الفاظ آپ کے الہامات اور بشارات میں ضرور آئے ہیں لیکن یہ عربی میں عام استعمال ہونے والے الفاظ ہیں۔ کتاب ''ایک غلطی کا ازالہ'' میں حضرت صاحب اپنے ایک مرید کی اس بات کو غلط کہہ رہے ہیں کہ آپ نے یہ الفاظ استعمال نہیں کیے بلکہ آپ نے فرمایا کہ میں نے ضرور یہ لفظ استعمال کیے ہیں مگر ایک دعویٰ کے طور پر نہیں بلکہ عربی کے عام استعمال ہونے والے لفظ ''نبی یعنی خبر دینے والا'' اور رسول یعنی پیغام دینے والا'' کے طور پر استعمال کیے ہیں ورنہ رسالت اور نبوت قطعی طور پر حضرت محمد صلعم جو خاتم النبیین تھے کے ساتھ منقطع ہو چکی ہے۔

یہاں پر تمام حاضرین کے پاس مترجم قرآن موجود ہیں۔ میں آپ کی توجہ سورۃ یوسف کی آیت نمبر 50 کی طرف مبذول کرواتا ہوں۔ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلما جاء ہ الرسول قال الرجعہ الی ربک ------

اس آیت میں لفظ 'رسول' اور 'رب' آیا ہے جس میں لفظ رسول کا مطلب ایلچی اور رب کا مطلب آقا یا بادشاہ ہے اور اسی طرح آیت 42 میں آتا ہے:

''اور اسے جس کے متعلق اسے خیال تھا کہ وہ ان لوگوں میں رہائی پائے گا، کہا میرا ذکر اپنے آقا کے پاس کرنا مگر شیطان نے اسے اپنے آقا کے پاس ذکر کرنا بھلا دیا۔''

یہاں پر بھی آقا کے لئے لفظ ''رب'' ہی استعمال ہوا ہے۔ ان مذکورہ بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ ''رب'' اور ''رسول'' عربی میں صرف خدا اور حقیقی رسولوں کے لئے ہی نہیں بلکہ دنیاوی آقاؤں، بادشاہوں اور ایلچیوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور اسی طرح حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی عبارات میں یہ الفاظ حقیقی رسول کے لئے نہیں بلکہ ایلچی یا پیغام دینے والے کے لئے استعمال ہوئے۔ آپ نے اس بات کو واضح کر دیا کہ الفاظ نبی اور رسول اس لئے لکھے گئے ہیں کہ وہ ان کی رویا اور الہامات میں اللہ تعالیٰ نے خبر دینے والا یا بھیجا گیا کے مفہوم میں استعمال کیے ہیں۔

آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ اللہ سے خبر پا کر اس بنا پر کیا کہ مسیح ناصری وفات پا چکے ہیں جس کا ثبوت آپ نے قرآن کریم کی 30 آیات سے دیا اور پھر یہ متعدد مرتبہ بیان کیا اور لکھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کیسے دوبارہ آسکتے ہیں جبکہ نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ آپ ذرا سوچیں کہ ایک شخص جو کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نہیں آسکتے کیونکہ نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ وہ خود کیسے نبوت کا دعویٰ کر سکتا ہے؟

یہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ آپ کی تعلیم کو مسخ کر دیا گیا اور جو دعویٰ آپ نے نہ کیا وہ آپ کی طرف منسوب کر دیا گیا اور بدقسمتی سے آپ کے خاندان کے لوگوں نے یہ عقیدہ گھڑا۔ جس سے آپ کے مشن کو بہت نقصان ہوا۔ یہ بہت بڑا المیہ ہے اور اس کی بناء پر آج احمدیوں کو کفر کے فتووں کو برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔

آپ کے دعاوی کو اس طرح پیش کیا گیا کہ سورۃ الصّف کی آیت 6 میں جہاں پر عیسیٰ علیہ السلام کے حوالہ سے کہا گیا ''اور ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد صلعم ہے۔''

غلط عقیدہ گھڑنے والوں نے اس کو بھی نعوذ باللہ احمد کا نام غلام احمد کے ساتھ منسوب کر دیا۔ یہ قیاس سے باہر ہے کہ غلام احمد ''احمد'' بن گیا۔ اس سے بڑا ستم کیا ہو سکتا ہے کہ ایک انسان جو ساری زندگی اپنے آپ کو رسول کریم صلعم کی بلند ہستی کے مقابل میں اپنے آپ کو ان کی خاک یا ان کے برابر بھی نہ سمجھتا تھا اسے خاتم النبیین کے بعد نبی بنا دیا گیا اور وہ بھی اپنی اولاد کے ہاتھوں۔ یہ بھی خیال نہ کیا گیا کہ جس آیت میں عیسیٰ علیہ السلام احمد صلعم کی آمد کی خوشخبری دے رہے ہیں۔ وہاں پر واحد کا صیغہ ہے یعنی ایک نبی آئے گا۔ قرآن میں انبیاء نے اپنے بعد نبی آنے کی خوشخبریاں دیں اور وہاں پر صیغہ جمع کا استعمال کیا گیا یعنی بہت سے نبی آنے والے تھے مگر عیسیٰ علیہ السلام نے صرف اور صرف ایک ہی نبی کی خوشخبری دی اور ہر انصاف کرنے والا یہی فیصلہ کرے گا کہ وہ ایک نبی جن کا نام بچپن ہی سے احمد نہ کہ غلام احمد تھا ہو سکتا ہے۔ حضرت مرزا غلام احمد

صاحب نے اپنی کتب، تحریرات، اشتہارات، بیانات اور تقریروں میں 257 مرتبہ نبی ہونے سے انکار کیا اور یہ احمدیہ انجمن لاہور نے کتابی شکل میں اس کا ایک مجموعہ تیار کیا ہے جو ہر ایک کو میسر ہے۔

آپ نے بار بار انکار کرنے کے علاوہ ان الفاظ میں نبی اور رسول کی تشریح بارہا کی، یہاں تک کہ خانہ خدا دہلی مسجد میں حلفاً بیان دیا کہ ان کا نبوت اور رسالت کا کوئی دعویٰ نہیں اور یہ الفاظ خدا کی طرف سے الہامات میں عربی کے معنی ایلچی یا خبر دینے والے کے معنی میں استعمال ہوئے اور ان سے اگر مسلمانوں کو دُکھ ہوتا ہے تو انہیں تمام تحریرات میں سے کاٹا ہوا سمجھیں۔ یہ بات تصور سے بعید ہے کہ کوئی مسجد میں حلفاً کھڑا ہو کر کہے اور وہ جھوٹ کہہ رہا ہو اور اللہ تعالیٰ اس کی پکڑ بھی نہ کرے۔ آپ نے اپنی آخری تقریر جو آپ کی وفات سے 19 دن پہلے کی گئی میں بھی نبوت سے انکار کیا اور دوبارہ 19 گھنٹے پہلے بھی یہ کہا کہ میرا دعویٰ نبوت کا نہیں۔ نیا عقیدہ گھڑنے والے کہتے ہیں کہ 1901ء سے پہلے آپ کا دعویٰ مجددیت کا تھا اور اس کے بعد آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ یہ کیسے درست ہوسکتا ہے؟ جبکہ وفات سے چند گھنٹے پہلے بھی اور اپنی 1901ء کے بعد کی کتب میں بھی آپ مسلسل نبوت سے انکار کرتے چلے جاتے ہیں۔ بھلا کون شخص ہوگا جو بیماری میں مبتلا ہو اور موت کی خبر پا چکا ہو اور مرنے سے چند گھنٹے پہلے جھوٹ بول رہا ہو۔

کسی اور نبی کے آنے کی گنجائش قرآن کی سورۃ المائدہ کی آیت 3 کے بعد ممکن نہیں رہی: ''آج ہم نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارا دین اسلام ہونے پر میں راضی ہوا''

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک مکمل چیز کو مزید مکمل کیا جائے، ہاں اگر مکمل چیز کو کچھ ضرورت ہو تو وہ اس کی صفائی اور حسب ضرورت رنگ وروغن کی ہوسکتی ہے اور یہ کام مجددین اور محدثین سے لیا جاتا ہے نہ کہ نئے نبیوں سے۔

اگر ہم حدیث کی رُو سے بھی دیکھیں تو رسول کریم صلعم نے فرمایا کہ ایک عمارت تھی جس میں ایک اینٹ کی کمی تھی اور وہ میرے (صلعم) آنے کے بعد لگ چکی ہے۔ یعنی کہ رسالت کی عمارت اب قطعی طور پر مکمل ہو چکی ہے۔ آج ہم جناب جعفر صاحب کے نئے دفتر میں بیٹھے ہیں اور یہ عمارت مکمل ہو چکی ہے تو کیا اگر کوئی اُٹھ کر اس کی صاف ستھری دیوار میں اینٹ لگانا شروع ہو جائے تو کیا اسے اجازت دی جاسکتی ہے؟

رسول کریم صلعم نے یہ بھی فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی آسکتا تو وہ حضرت عمرؓ ہوتے لیکن چونکہ نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے تو عمرؓ کی حیثیت ایک محدث کی سی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کا یہ فرمانا: ''انا خاتم النبیین، لا نبی بعدی'' ''میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں'' اور کسی بھی نئے نبی کے آنے کی گنجائش آپ صلعم نے باقی نہیں چھوڑی۔

آپ کا مجھ سے یہ سوال ہے کہ کیا میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو نبی مانتا ہوں تو میرا جواب ہے کہ نبی صلعم نے کسی بھی نئے نبی کے آنے کی گنجائش باقی نہیں چھوڑی۔ اور مرزا صاحب کا بھی یہی عقیدہ رہا تو پھر میں کیسے آپ کو نبی مانوں؟

میرا عقیدہ ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور رسول کریم صلعم کے فرمان کے مطابق جب میں کلمہ شہادت پر مکمل یقین رکھتا ہوں اور نبی کریم صلعم کو آخری نبی مانتا ہوں تو پھر کسی کو نہ اللہ اور نہ اس کا رسول یہ حق دیتا ہے کہ وہ مجھے کافر کہے۔

ہم سب کے سامنے قرآن کریم پڑے ہیں اور میں اس پر حلفاً بیان دیتا ہوں کہ میں رسول کریم صلعم کے بعد کسی بھی نئے یا پرانے نبی کے آنے کا یقین نہیں رکھتا۔ سورۃ الجمعہ کی دو آیات کا ذکر میں نے کیا تھا جہاں و آخرین منھم آتا ہے اس کے حوالہ سے حدیث نبوی میں ایک ایسے شخص کی بشارت دی گئی ہے کہ جب قرآن لوگوں کے دلوں سے اُٹھ کر ثریا کی بلندیوں تک چلا جائے گا تو حضرت سلیمان فارسیؓ کی اولاد میں سے ایک شخص اسے واپس لوگوں کے دلوں میں لے آئے گا۔

## زمانہ کا تقاضا تھا کہ مجدد مبعوث ہوتا

ایسے حالات میں جب کہ لوگوں کے دلوں میں سے ایمان اُٹھ چکا تھا اور اسلام پر چاروں طرف سے تمام مذاہب حملہ آور ہو رہے تھے اور مسلمانوں کے پاس عیسائیوں، ہندوؤں اور باقی مذاہب کے حملوں کا کچھ جواب نہ تھا وہ **وقت ہی موزوں وقت تھا کہ اللہ کی طرف سے مدد آتی۔ کوئی ایسا شخص آتا جو اسلام کا دفاع کرسکتا اور اس کی مسخ شدہ حالت کو دوبارہ بحال کرسکتا۔ یہ وہ وقت تھا جب مسلمانوں میں سے ہی ایک امام اُٹھتا اور حدیث نبوی امامکم منکم کا کام ادا کرتا۔**

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں اور اپنے دین کے دفاع کے لئے اس وقت ایسے انسانوں کو مبعوث کرتا ہے جو اس وقت کے تقاضا کے مطابق اسلام کا دفاع فرماتا ہے۔ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو مجدد زماں کا کام سونپا۔ آپ نے یہ کام نہایت کامیابی سے سرانجام دیا اور لاکھوں کی تعداد میں مسلمان جو اپنا دین چھوڑ چکے تھے نہ صرف واپس ہوئے بلکہ اسلام کے دفاع میں بڑھ چڑھ کر کردار ادا کرنے لگے۔ ایسے زمانے کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت صاحب نے فرمایا کہ:

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

اگر میں اس کمرے میں آپ کے درمیان آپ کی ساتھ والی کرسیوں پر بیٹھا ہوتا اور میری جگہ کوئی اور کھڑا ہو کر کہہ رہا ہوتا کہ ایک نیا نبی رسول کریم صلعم کے بعد آیا ہے اُسے مانو۔ اس کا نام غلام احمد ہے تو میں بھی ایسے مدعی نبوت کا انکار کر دیتا اور کہتا کہ یہ ممکن ہی نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ **”آج ہم نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارا دین اسلام ہونے پر میں راضی ہوا“۔** دین تو مکمل ہو چکا تو آپ کہاں سے نیا نبی لے آئے؟ اس نے تو کوئی اپنے نام کا کلمہ نہیں پڑھایا اور نہ کوئی کتاب لایا تو وہ نبی کیسا؟ اگر میں اُدھر ہوتا اور مجھے کوئی کہتا کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی نبوت پر ایمان نہ لانے والا کافر ہے تو میں تب بھی انکار کرتا کیونکہ وہ تو نبوت کا دعویٰ کر ہی نہیں رہے اور خود فرماتے ہیں کہ میرے انکار سے کوئی کافر نہیں ہوتا۔

**میرے آگے قرآن پڑا ہے اور میں یہ حلفاً کہتا ہوں کہ احمدیہ انجمن لاہور کا کوئی ممبر مرزا غلام احمد صاحب کو نبی نہیں مانتا۔ اگر یوں ہوتا تو میں کیسے ایسی جماعت کا امیر بننے کے لئے تیار ہوتا بلکہ میں تو احمدی بھی نہ ہوتا۔**

آخر میں میں آپ تمام کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے یہاں پر آکر اپنے خیالات کا اظہار کرنے کا موقع عطا فرمایا۔ آپ کی طرف سے جو سوالات اکثر شوکت علی صاحب کے ذریعہ پوچھے جاتے ہیں ان کے میں نے کسی حد تک جوابات اپنی تقریر میں آپ کے سامنے بیان کیے۔ **اللہ تعالیٰ احمدیہ جماعت اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے متعلق جو غلط فہمیاں ہیں انہیں دور فرمائے اور جو امن کا پیغام وہ دنیا کے لئے لے کر آئے اس کو دنیا قبول کرے۔ آمین**

☆☆☆☆

# پاکستان کی حفاظت ہمارا فرض عین ہے

## تقریر صاحبزادہ ابراہیم احمد صاحب (نائب صدر جماعت احمدیہ لاہور)

## بر موقعہ تقریب 14 اگست 2022ء

## بمقام جامع دار السلام لاہور

جماعت کی خواتین وحضرات، نوجوانوں اور پیارے بچو!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

شکرانے کے طور پر میں نے آج کے دن کی مناسبت سے سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کی ہے جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ آج ہم یہاں کیوں اکٹھے ہوئے ہیں۔ آج 14 اگست کا دن ہے۔ جو یوم آزادی کا دن کہلاتا ہے۔ آزادی ایک ایسا لفظ ہے جس سے تمام انسان مانوس ہیں۔

آج ہی کے دن ہمیں انگریز حکومت سے نجات ملی اور ہم ایک الگ ملک پاکستان کی حیثیت سے اقوام عالم میں شامل ہوئے۔ ہم اپنے پروردگار کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے اپنی رحمت سے ہمیں آزادی جیسی بڑی نعمت سے نوازا۔ جیسا کہ آپ سب کے علم میں ہے کہ ملک ہندوستان میں مختلف مذاہب اور قوموں کے لوگ آباد تھے اور ان میں سے ہندو اور مسلمان دو بڑی قومیں تھیں جو برسرِ پیکار رہتی تھیں۔ ہندو اپنی اکثریت کی بنیاد پر ملک ہندوستان میں حکومت کرنا چاہتے تھے اور وہ مسلمانوں پر کئی قسم کے ظلم ڈھاتے تھے ان کا انگریز سے گٹھ جوڑ تھا اور دونوں مل کر مسلمانوں کو نشانہ بناتے۔ جب مسلمانوں کے لیڈر قائداعظم محمد علی جناحؒ نے مسلم لیگ کی باگ دوڑ سنبھالی اور دو قومی نظریے کے تحت مسلم علاقوں پر مشتمل ایک الگ ریاست بنانے کا بیڑا اُٹھایا۔ قائداعظم نے کانگریس سے کہا کہ ہم مسلمان ایک الگ قوم ہیں۔ ہماری روایات الگ، ہمارا مذہب الگ، ہماری ثقافت الگ ہے چنانچہ 50 سال کی طویل جدوجہد کے بعد انگریز اس بات پر آمادہ ہوگئے کہ مسلمانوں کو ایک آزاد اور خودمختار ملک کی حیثیت دے دی۔

پیارے بچو! پاکستان ایک خواب تھا جو مفکر پاکستان، شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ نے برصغیر کے مسلمانوں کے لئے ایک آزاد اسلامی اور فلاحی ریاست کا دیکھا جہاں مسلمان آزادانہ زندگی گزار سکیں۔ آپ کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کا سہرا بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کے سر ہے۔ تحریک پاکستان میں لاکھوں مسلمانوں نے قربانیاں پیش کیں اور اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ حالانکہ تاریخ گواہ ہے کہ بہت سے علماء کرام پاکستان بننے کے سخت مخالف تھے جیسا کہ مفتی محمود دیوبندی والد مولانا فضل الرحمٰن کہتے تھے ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہیں تھے اس طرح عطاء اللہ شاہ بخاری دیوبندی نے کہا پاکستان بننا تو بڑی بات کسی ماں نے ایسا بچہ نہیں جنا جو پاکستان کی پ بھی بنا سکے۔

ایسی حالت میں کہ یہ ایک انعام الٰہی ہے جو مسلمانوں کو ملا ہے۔ یہ کہنا کہ اس کے حصول میں کیا کچھ جدوجہد کس کس نے کی، تاہم کسی تعریف کی خواہش کے بغیر یہ کہنا بے موقع نہیں کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے عام مسلمانوں کو مسلم لیگ اور پاکستان کی تائید میں کھڑا کر دیا، وہاں جماعت احمدیہ کو بھی یہ توفیق دی کہ وہ اپنے مقدس امام حضرت مسیح موعود و مہدی معہود کی ہدایت کے مطابق دین کی عزت اور ہمدردی اسلام کی خاطر اپنی بساط کے موافق اس کی حمایت میں آواز بلند کرے، یہ ایک مذہبی اور تبلیغی جماعت ہے جسے سیاسیات سے چنداں سروکار نہیں لیکن جہاں مسلمانوں کا وقار ایک متفقہ آواز کا طلبگار ہوا اس جماعت نے

ان کا ساتھ دینے سے کبھی گریز نہیں کیا اور تحریک پاکستان کے تمام دور میں اس کے اخبارات بالخصوص انگریزی اخبار ''لائٹ'' نہایت زبردست مضامین اس کی حمایت میں لکھتا رہا اور ہم فخر کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مضامین خود قائداعظم کی نظروں سے گذرتے رہے اور ان کی اہمیت کا اعتراف انہیں کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ ایک سابق وائسرائے کے ساتھ گفتگو کے دوران میں بھی ایسے بعض مضامین کا ذکر آیا۔

آپ سب کے علم میں یہ بات لانا بھی ضروری ہے کہ مسلم لیگ کی ہر ضرورت کے موقع پر اس جماعت نے اپنی طاقت کے مطابق مالی امداد کے لئے قدم بڑھایا اور کئی مرتبہ پیش قرار رقوم چندوں میں پیش کیں، ہر تحریک میں اس جماعت کے افراد مردوں اور عورتوں نے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر شمولیت اختیار کی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس جماعت کے ان بزرگوں نے جنہیں اللہ تعالیٰ راتوں کی تاریکیوں میں اپنے حضور کھڑا ہونے کی توفیق دیتا ہے اسلام اور مسلمانوں کی برتری پاکستان کے حصول کے لئے درد دل سے دعائیں کیں انہیں دعاؤں کے جواب میں حضرت امیر مولانا محمد علیؒ کو ''پاکستان زندہ باد'' کی بشارت بھی جناب الٰہی سے دی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنے عاجز بندوں کی دعاؤں کو سنا اور ان کی ناچیز اور حقیر ترین قربانیوں کو قبول فرمایا جس کے نتیجہ میں آج ہم دلی رغبت کے ساتھ ''پاکستان زندہ باد'' کا نعرہ بلند کرتے اور تمام جماعت احمدیہ، تمام مسلمانوں اور مسلم لیگ کے کارکنوں اور سب سے بڑھ کر قائداعظم کو تہہ دل سے مبارکباد عرض کرتے ہیں۔ جن کی بدولت آج کی تاریخ کے مطابق 14 اگست 1947ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ہم اس ملک کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھیں اور اس کی حفاظت اس طرح کریں جس طرح ہم اپنے بچوں کی کرتے ہیں۔ اور اس کی ترقی کے لئے صبح و شام اور ماہ و سال وقف کردیں اور اس کی ترقی یافتہ ممالک کی صف میں لا کھڑا کریں۔

آئیں آخر میں اللہ تعالیٰ سے ملک کی ترقی و عظمت کے لئے دعا کریں۔

## ابرِ کرم جا کسی خشک زمین کو نہال کر

عامر عزیز (امام جامع برلن)

اے بادل برس مگر کچھ تو
میرے کچے مکان کا خیال کر
طغیانی سیلِ رواں بہا لے گئی خواب
رکھے تھے جو برسوں سنبھال کر
میرے کچے آشیاں کو ضرورت نہیں تیری
ابرِ کرم جا کسی خشک زمین کو نہال کر
لمحوں میں لٹ گئی عمر بھر کی کمائی
مکان نہ رہا جو رکھا تھا سنوار کر
بارش کا لطف اُٹھانے والے
دیکھ ذرا مفلس کا حال کچھ وقت نکال کر
کم ظرف نودولتیوں کا یہی شاخسانہ ہے
خوش ہوتے ہیں غریب کی پگڑی اچھال کر
گل و گلزار کی بات مت کر عزیزؔ
مجھ سے میرے اُجڑے دیار کا سوال کر

# پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ

فضل حق (اسسٹنٹ سیکرٹری)

پاکستان کا قیام شب قدر، جمعۃ الوداع ماہ رمضان المبارک 1368ھ بمطابق 14 اگست 1947ء عمل میں آیا۔ظہور پاکستان کا یہ عظیم دن جمعۃ الوداع ماہ رمضان اور شب قدر جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، محض اتفاق نہیں ہے بلکہ خالق و مالک کائنات کی اس عظیم حکمت عملی کا حصہ ہے۔

حریت و آزادی، ایک بیش بہا نعمت، قدرت کا انمول تحفہ اور جینے کا اصل احساس ہے اس کے برعکس غلامی و عبودیت ایک فطری برائی، کربناک اذیت اور خوفناک زنجیر ہے جس میں زندگی بد سے بدتر ہوجاتی ہے، جائز اختیارات تک سلب کرلیے جاتے ہیں اور انسان زندہ لاش بن کر رہ جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ بنی نوع انسانی کے ساتھ ساتھ حیوانات بھی اپنی اپنی بساط کے مطابق غلامی کی زنجیروں کو توڑتے اور آزاد فضا میں سانس لینے کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔

جہاں شخصی آزادی، نہایت اہم اور لابدی امر ہے اس سے کئی گنا زیادہ اجتماعی آزادی کی اہمیت وضرورت ہے۔ ہر دانش مند قوم اس کے لئے کوشش کرتی ہے اور اپنے تن من دھن کی بازی لگا دینے سے بھی دریغ نہیں کرتی۔

آزادی پانچ حروف پر مشتمل لفظ ہے اس کی ادائیگی بڑی آسان ہے لیکن اس کو حاصل کرنا بہت مشکل اور کٹھن مرحلہ ہے ان لوگوں سے اس کی قدر پوچھنی چاہیے جن کی نسلیں آزادی حاصل کرنے کے لئے ختم ہوگئیں لیکن دنیا کی یہ اقوام اپنا آزادی کا حق حاصل کرنے سے دستبردار نہیں ہوتیں ان میں آج فلسطین اور کشمیر کے مسلمان سرفہرست ہیں۔

ہم بھی ہر سال 14 اگست کو اپنی آزادی کا دن نہایت جوش وخروش، شان وشوکت سے مناتے ہیں اور منانا بھی چاہیے لیکن اس کے لئے ہمارے آباؤ اجداد نے جو مالی، جانی قربانیاں دی ہیں ہماری سوچ اس کا عشر عشیر بھی ان کو خراج تحسین پیش نہیں کرسکتی۔قائداعظم محمد علی جناح اور مسلم لیگ کے اکابرین کو میرا قلم جتنا زیادہ خراج تحسین پیش کرے وہ ان کی قربانیوں کا ثمرہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ان لیڈران نے ہماری آزادی کے لئے اپنی زندگی کی تمام راحتیں قربان کردی ہیں۔ انہوں نے نہ صرف اپنا گھر بار چھوڑا بلکہ ہمیں زندگی کی تمام آسائشوں اور راحتوں سے مستفید کرگئے یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی زندگی کا آرام ہماری آزادی کے لئے قربان کردیا۔قائداعظم کی ٹیم کے تمام افراد معاشی، معاشرتی اور تعلیمی لحاظ سے آسودہ تھے لیکن صرف نظریہ پاکستان کے لئے انہوں نے انگریز، ہندو اور سکھ جیسی مسلمانوں کی دشمن قوموں سے ہمیں آزادی لے کر دکھادی اگر اس کی اہمیت کا اندازہ لگانا ہے تو اس کلمہ گو مسلمان سے پوچھئے جو ہندوستان اور کشمیر میں رہائش پذیر ہیں انہیں وہاں رہنے پر کسی قسم کی آزادی میسر نہیں ہے۔

اس وقت کو یاد کیجئے جب برصغیر میں سات سمندر پار سے بغرض تجارت آنے والی انگریز قوم کی مسلسل سازشوں، ریشہ دوانیوں اور مقامی لوگوں کی غداریوں کی بناء پر مسلمانوں کی حکومتیں یکے بعد دیگرے ختم ہوتی چلی گئیں اور ملک پر ان کا تسلط قائم ہوگیا تو قائداعظم محمد علی جناح کی انتھک کوششوں اور مسلسل فکروں کے نتیجے میں 14 اگست 1947ء کا سورج برصغیر کے باشندوں کے لئے آزادی کا پیامبر بن کر طلوع ہوا اور مسلمانوں کو انگریزی سامراج کے پنجہ استبداد ہمیشہ کے لئے نجات ملی۔اس حوالے سے نواب سراج الدولہ سے لے کر سلطان ٹیپو شہید اور آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر تک کی داستان ہماری تاریخ حریت و آزادی کی لازاول داستان ہے۔1857ء کی جنگ آزادی کے المناک واقعات بھی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

پاکستان بننے کی تحریک میں یہ وہ نعرے تھے جو ہر ایک مسلمان کی زبان پر

حفظ تھے

پاکستان کا مطلب کیا؟ لاالہ الااللہ

لے کر رہیں گے پاکستان

بن کے رہے گا پاکستان

مگر آج کوئی بھی نہیں سوچتا کہ یہ وطن عزیز جس میں ہم سکھ کا سانس لے رہے ہیں کتنی قربانیوں کے بعد ملا بتا دو تو شاید جھوٹ لگے۔

یہ ملک دس لاکھ انسانوں کی قربانیوں کے بعد معرض وجود میں آیا۔ سیاسی اُفق پر ہر قسم کے چیلنج سے نبرد آزما قائداعظم! گول میز کانفرنس، سول نافرمانی کی تحریکیں، جیل بھرو کی تحریکیں، دوقومی نظریہ کی اٹل حقیقت 14 نکات لیکن ایسے میں بھی کانگریس کا نعرہ ''اکھنڈ بھارت'' لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور نہرو کی مشترکہ سازشیں، ایجنسیوں کی اندرونی رپورٹیں کہ پاکستان نہیں بننے دینا، بٹوارہ نہیں ہونے دینا۔ کیوں؟ اس لئے کہ مسلمان نوکر اور ہندو مالک، مسلمان مزدور اور ہندو ساہوکار، صنعتکار، مسلمان کسان اور ہندو جاگیردار، مسلمان بھکاری اور ہندو ان داتا، مسلمان چپڑاسی اور ہندو ICS۔

جب اس محاذ پر کامیابی کے امکانات کم ہوتے نظر آئے تو ماسٹر تارا سنگھ اور سکھوں کے حملے، ماؤں کی گود میں دودھ پیتے بچوں کو برچھیاں ماری گئیں، بیٹے کے ہاتھوں میں باپ کی لاش اور باپ کے ہاتھوں میں بیٹے کی لاش۔

موتوں کی بنیاد پر بنائے گئے ''ورلڈ ڈیزاسٹر چارٹ'' میں 10 لاکھ اور اس کے زیادہ اموات کی وجہ زلزلے ہیں، آتش فشاں ہیں، سیلاب ہیں، قحط ہیں، لیکن اس چارٹ میں انسانیت کے علمبردار اکھنڈ بھارت کے حامیوں نہرو، ماؤنٹ بیٹن کی اشتراکیوں کے منہ پر طمانچہ تقسیم ہند کی 10 لاکھ اموات ہیں۔

یہ وطن بننا بہت ضروری تھا۔ حضرت مولانا محمد علیؒ نے اپنے خطبات میں فرمایا کرتے تھے کہ ''اس قوم سے بچ جاؤ جس کو رحم کرنا نہیں آتا'' جماعت احمدیہ کے بچے بچے نے اس قافلہ قائد میں شمولیت اختیار کی۔ وہ قائد محمد علی جناح جو قائداعظم تھا۔ جو یقینِ محکم اور عمل پیہم کا پیکر تھا۔ ہندو ونصریٰ کا گٹھ جوڑ پاکستان بننے کی راہ میں اٹل تھا۔ لیکن قائداعظم کی آہنی شخصیت نے اس گٹھ جوڑ کو پاش پاش کر دیا۔

کون اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا!

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

قائداعظم ایک بہادر شخصیت، ایک اصول پسند شخصیت کو روکا گیا کہ نیا نیا پاکستان بنا ہے۔ احمدیوں کے قائد امیر اول حضرت مولانا محمد علی سے ملنے نہ جائیں لیکن قائد نے فرمایا کہ نہیں میں نے ان کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ قائداعظم تشریف لائے اور مولانا محمد علی، مولانا یعقوب خان صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ اور نظریہ پاکستان میں جو جماعت احمدیہ کی کاوشیں تھیں ان کو سراہا۔

قارئین کرام! ہم ہر سال باشندگان وطن 14 اگست وک ملک کی آزادی کا جشن جوش وخروش سے مناتے ہیں، ملکی سطح پر ہر علاقے میں رنگ برنگی تقریبات منعقد کی جاتی ہیں جبکہ عوام الناس بھی اپنے طور پر جلسے جلوس کا انعقاد کرتے ہیں ان پر جوش تقریبات کے بعد ہم پھر ایک سال کے لئے خاموش ہو جاتے ہیں حالانکہ جشن آزادی تجدید عہد کا دن ہے اور ہمیں اجتماعی طور پر 14 اگست کے دن اس عہد کو دہرانا چاہیے کہ جس مقصد کے لئے ہم نے لاکھوں قربانیاں دے کر یہ وطن عزیز حاصل کیا ہم اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اسی جذبہ سے کام کریں گے جو جذبہ تحریک آزادی کے وقت تھا۔

قارئین کرام! ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم اپنی نئی نسل میں تحریک آزادی کا جذبہ اور پاکستان بنانے کے جو مقاصد تھے منتقل نہ کر سکے جس کی وجہ سے وہ آزادی جیسی اس نعمت کو حقیقی معنوں میں نہیں جانتے۔ اگست 1944ء میں گاندھی کے نام قائداعظم نے جو تاریخی خط لکھا تھا اُس میں انہوں نے ان مقاصد کو واضح کیا تھا کہ ''قرآن مسلمانوں کا ضابطہ حیات ہے۔ اس میں مذہبی اور مجلسی، دیوانی اور فوجداری، عسکری اور تعزیری، معاشی اور معاشرتی غرضکہ سب شعبوں کے احکام موجود ہیں مذہبی امور سے لے کر روزانہ کے امور حیات تک، روح کی نجات سے لے کر جسم کی صحت تک، جماعت کے حقوق سے لے کر فرد کے حقوق وفرائض تک، دنیاوی زندگی میں جزاوسزا سے لے کر عقبیٰ کی جزاوسزا تک ہر قول، فعل اور حرکت کے لئے مکمل احکام کا مجموعہ ہے۔

لہذا جب میں یہ کہتا ہوں کہ مسلمان ایک الگ قوم ہیں تو حیات اور بعد از حیات کے ہر معیار کے مطابق کہتا ہوں۔''

قارئین کرام! قائداعظم نے قیام پاکستان سے پہلے اور قیام پاکستان کے بعد بھی متعدد مواقع پر غیر مبہم الفاظ میں یہ فرمایا کہ مسلمان پاکستان اس لئے قائم کرنا چاہتے ہیں تا کہ مسلمان اپنے آزاد ملک میں اسلامی تعلیمات و روایات کے مطابق اپنی زندگی کی تعمیر کر سکیں۔ اگر قیام پاکستان کے بعد بھی ہم نے اقتدار اور اختیارات کو اسلام کے قائم کردہ اصولوں اور معیارات کے مطابق استعمال نہیں کرنا تو پھر ہم نے کس مقاصد کے لئے لاکھوں جانیں قربان کر کے پاکستان بنایا تھا۔ اگر ہمارے حکمران اپنے اختیارات کو اللہ کی طرف سے ایک مقدس امانت کے طور پر اور اللہ اور رسول کریم صلعم کی قائم کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے استعمال کریں تو ہم اپنے معاشرے سے ظلم، ناانصافی اور خود غرضی کی ہر شکل ختم کر سکتے ہیں۔ قائداعظم پاکستان میں غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ بھی انتہائی منصفانہ بلکہ فیاضانہ سلوک پر زور دیتے تھے مگر جس معاشرہ میں نوے فیصد سے زیادہ مسلمانوں کی آبادی ہے اور جہاں مسلمان کے لئے ایک عادلانہ معاشرتی نظام اور اسلام کے اصول مساوات پر مبنی معاشی نظام کی بنیاد ہم نہیں رکھ سکے وہاں غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت کی اُمید کیسے کی جاسکتی ہے۔ مارچ 1949ء میں قرارداد مقاصد منظور کر کے قوم کے منتخب نمائندوں نے دراصل پاکستان کی منزل کا صحیح تعین کر دیا تھا کہ پاکستان میں اسلامی تشریح کے مطابق جمہوریت وحریت، مساوات ورواداری اور معاشرتی انصاف کے اصولوں کی پوری طرح ملحوظ رکھا جائے گا۔ اسی طرح اقلیتوں کو اپنے مذہب پر پختہ عقیدہ رکھنے سے اس پر عمل کرنے اور اپنی ثقافت کو ترقی دینے کی بھی مکمل آزادی ہوگی۔ اگر ہم قرارداد مقاصد کے مطابق معاشرتی، معاشی اور سیاسی عدل وانصاف پر مبنی معاشرہ کی تشکیل میں کامیاب ہو جاتے تو ہر پاکستانی شہری آج فلاح وخوشحالی کی زندگی بسر کر رہا ہوتا اور قائداعظم کے خواب کے مطابق پاکستان اقوام عالم میں بھی اپنا جائزہ اور ممتاز مقام حاصل کر چکا ہوتا۔ حصول آزادی قائداعظم کا ہمارے لئے عظیم کارنامہ تھا اور حصول آزادی کے بعد قرار داد مقاصد کی صورت میں پاکستان کی واضح منزل متعین کر دینا پاکستان کی پہلی آئین ساز اسمبلی کا اجتماعی کارنامہ ہے۔ قرارداد مقاصد کو آئین ساز اسمبلی میں پیش کرنے کا اعزاز پاکستان کے پہلے وزیراعظم اور قائداعظم دستِ لیاقت علی خان کو حاصل ہوا اور تحریک پاکستان کے دیگر رہنماؤں کا بھی یہ مشترکہ اعزاز تھا کہ جس نظریہ پاکستان کی بنیاد پر پاکستان حاصل کیا تھا اُسی نظریہ پاکستان کو قرار داد مقاصد کی صورت میں پاس کر کے پاکستان کے مستقبل کے آئین کی شکل کو ایک واضح انداز میں پیش کر دیا گیا تھا۔ یہ قرارداد مقاصد اب ہمارے آئین کا ایک لازمی حصہ ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ٹال مٹول سے کام لینے کے بجائے قرارداد مقاصد پر عملدرآمد کو یقینی بنائیں۔

قارئین کرام! ایک وقت وہ تھا جب ہم نے انگریزوں سے ملک کے استخلاص کے لئے کوششیں کیں تھیں جس کی یاد میں ہم یہ دن منا رہے ہیں اور ایک وقت یہ ہے کہ ہمارا ملک شدید بحران سے گزر رہا ہے، فرقہ پرست عناصر اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے نہ قانون کا خیال کر رہے ہیں نہ ہی انسانیت کے اصولوں کو مان رہے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کو ہر ممکن نقصان پہنچانے پر تلے ہوئے ہیں، متعصب لوگ وطن عزیز کو تباہی و بربادی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ خاص کر موجودہ وقت کے حکمران جن میں کرسی کی خانہ جنگی جاری ہے۔ جس کی وجہ سے اس پیارے وطن وزیز کی بنیادیں کھوکھلی ہو رہی ہیں تو ایسے میں ہمارا صرف رسمی طور پر جشن آزادی منالینا کہ ہم قومی جھنڈے میں کچھ پھول لپیٹ کر رسمی طور پر ہوا میں اُڑائیں، اسے سلامی دیں، قومی ترانہ لگائیں، ایک دوسرے کو مبارک باد دیں اور اسکول کے بچوں کے درمیان کچھ شیرینی تقسیم کر دیں وغیرہ شاید ایک بے فائدہ اور بے مقصد عمل ہے۔

جشن آزادی منانے کا یہ طریق کار نہ تو ہمارے قومی جذبات کو پختگی عطا کر سکتا ہے اور نہ جدوجہد آزادی کے جیالوں کے تئیں کسی عقیدت واحترام کا جذبہ بیدار کر سکتا ہے اور نہ ہی تحریک آزادی کے دوران پیش آنے والی قربانیوں کا کوئی احساس دلا سکتا ہے، انگریزوں کے مظالم کی داستان سامنے لائے بغیر اس آزادی کی قدر و قیمت کا احساس نہیں دلایا جاسکتا۔

جب ہم گذشتہ 74 سال کی اپنی قومی پیش رفت، ترقی و بہبود کی رفتار، آزادی کے ممکنہ ثمرات اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور ملک کی سالمیت کی بقا کے سلسلے میں اپنی کاوشوں کا محاسبہ کریں، جشن آزادی محض ایک رسم کا نام نہیں ہے، بلکہ اس محاسبے کا نام ہے۔

علامہ اقبال نے تصور پاکستان دیا۔ انہوں نے کہا خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی۔ مگر ہم اپنی شناخت کی ندرت کو کھانے کی ترکیبوں میں ہی ثابت کر پائے۔ بہت کچھ بگڑا ہوا ہے اور کھو چکے ہیں۔

انڈیا تو کیا بنگلہ دیش بھی ہم سے زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ بنگلہ دیش کا ٹکا کے مقابلہ میں ہمارا روپیہ 2.27 جس کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم لوگ ان کے دو ٹکوں کے برابر بھی نہیں۔ جب مشرقی ایشیاء کے لوگوں سے ملتے ہیں تو لگتا ہے وہ تو ہماری طرح تیز اور چالاک نہیں۔ پھر وہ کیوں آگے اور ہم کیوں پیچھے۔ چالاکی سے کچھ افراد کچھ وقت کے لئے ترقی کر سکتے ہیں۔ محنت، دیانتداری، نظم وضبط اور قانون کی عملداری سے پورا معاشرہ اور آئندہ نسلیں بھی۔

قارئین کرام! جب سے پاکستان بنا ہے مصیبتوں میں گھرا ہوا ہے یہ اللہ کا کرم اور غیبی مدد نہیں تو اور کیا ہے کہ اس نے پاکستان کو قائم رکھا ہوا ہے اور اللہ کے حکم سے ابد تک قائم رہے گا بس ہم سب اپنا اپنا حصہ اس کی ترقی اور بقا کے لئے لگا دیں۔ گذشتہ 74 سالوں میں اس ملک میں جو نسلیں پیدا اور جوان ہوئی ہیں ان کی سوچ، سمجھ اور خیالات میں بتدریج کئی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں جن میں یقیناً بڑی حد تک پاکستان کے حالات مختلف ادوار میں پیش آنے والے واقعات، سیاسی، معاشرتی و معاشی مسائل و صورتحال اور بنیادی سہولتوں کی عدم فراہمی اور روزمرہ مسائل کا بڑی حد تک عمل دخل ہے۔ آج کی نسل پاکستان سے محبت تو ضرور کرتی ہے کہ یہ وہ چیز ہے جوان کے خون اور گھٹی میں شامل ہے لیکن محبت کا وہ جنون اور عشق جو دیوانگی کی حد تک ہمیں اپنے سے پچھلی نسل میں نظر آتا تھا، آج مفقود ہے۔

ہماری قومی ذمہ داری ہے اس ملک کو ہم اپنا ملک سمجھیں لیکن مجھے غفلت کی بنیادی وجوہات جو نظر آتی ہے کہ ہم نے اس ملک کو اپنا سمجھنا چھوڑ دیا ہے ہم انفرادی حیثیتوں میں صرف اپنے گھروں کی چار دیواری کو اپنا سمجھتے ہیں اور اس چار دیواری سے باہر کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونا چاہیے نہ تو اس میں اپنے کردار کی اہمیت کو سمجھتے ہیں اور نہ ہی اسے اہم بنانا چاہتے ہیں۔ ملک کو اپنی ذمہ داری سمجھنا تو دور، ہم نے شاید اسے اپنا ماننا بھی چھوڑ دیا ہے۔

75واں یوم آزادی پر اپنے ملک وملت کے ساتھ ساتھ خود سے بھی یہ تجدید عہد وفا کیجئے کہ ''یہ وطن ہمارا ہے، ہم ہی ہیں پاسباں اس کے'' ہمیں اس جشن آزادی کے موقع پر پاکستان کی خاطر سوچنے اور کام کرنے کا پختہ ارادہ کر کے اس پر عمل کرنا ہوگا۔ آج ہمیں عہد کرنا ہے کہ ہم اپنے عمل پیہم سے پاکستان کی بقا اور ترقی میں حصہ ڈالتے رہیں گے۔ اپنی دعاؤں سے بھی اس سرزمین پاکستان کی آبیاری کرتے رہیں گے۔ یہ مت سوچو کہ پاکستان نے کیا دیا بلکہ یہ سوچو کہ تم نے پاکستان کو کیا دیا ہے۔ امید ہے اس 14 اگست کا سورج پاکستان میں امن وخوشحالی کا پیغام لے کر طلوع ہوا ہے۔ انشاءاللہ

پاکستان زندہ باد، احمدیت پائندہ باد
ہر ایک لمحہ اس کی خاطر کام کرنا ہے
دنیا میں اب روشن اس کا نام کرنا ہے
وقت پڑے تو اس کی خاطر ہر دُکھ سہہ لیں گے
ہم آن ہم شان، ہم اس کی جان ہیں ہم پاکستان ہیں

اس میں شک نہیں کہ واقعی یہ دن فرحت وشادمانی کا دن ہے؟ لیکن ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم اپنے اکابر و اسلاف کی قربانیوں کی تاریخ پڑھیں، ان کی حیات وخدمات کا مطالعہ کریں، ان کی صفات وخصوصیات اپنے اندر جذب کر کے اس کے نقش قدم پر چلنے کا حوصلہ پیدا کریں۔

مختصر یہ کہ یوم آزادی خود فراموشی کا نہیں، خود احتسابی کا دن ہے۔ حوصلہ ہارنے کا نہیں تجدید عزم وہمت کا دن ہے۔

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

☆☆☆☆

## چونتیسیویں قسط

# سوانح حیات حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان مرحوم ومغفور

## ''حیات سعید''

## باب: دوازدہم (حصہ سوم)

از: صفیہ سعید

### مکافاتِ عمل میں انسانی خواہشات کا کوئی دخل نہیں ہوتا

ایک نجی محفل میں 1974ء کے سانحات کے حوالے سے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی موجودگی میں، کسی فرد کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ''اللہ تعالیٰ ہمیں، ہماری زندگیوں میں ان ظالموں کا انجام دکھائے''۔ اس ذکر کو ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے ناپسند فرماتے ہوئے نصیحت کی کہ ''اس طرح کہنا اور سوچنا درست نہیں، اللہ تعالیٰ کی رسی دراز ہوتی ہے، ہماری زندگی کے ماہ و سال اُس کے فیصلوں کے پابند نہیں۔ وہ قادر ہے، جب اور جیسے چاہے گا ظلم کی سزا دے گا یا معاف فرما دے گا۔''

یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا فیصلہ تھا کہ یہ مکافات عمل، ہم میں سے اکثر نے اپنی زندگی میں دیکھ لیا۔

☆☆☆☆

### پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب کی ایک غیر مطبوعہ تحریر سے اقتباس اللہ کی عجیب باتیں:

''حضرت صاحب کا یہ الہام 1891ء کا ہے اور آپ کی کتاب ''ازالہ اوہام'' کی پرانی ایڈیشن کے صفحہ 187 اور نئی ایڈیشن کے صفحہ 68 پر ان الفاظ میں درج ہے: ''اور ابھی چند روز کا ذکر ہے کہ ایک شخص کی موت کی نسبت خدائے تعالیٰ نے اعدادِ تہجی میں مجھے خبر دی جس کا ماحصل یہ ہے کہ کلب یموت علی کلب۔ یعنی وہ کتا ہے اور کتے کے عدد پر مرے گا جو باون سال پر دلالت کر رہے ہیں جب باون سال کے اندر قدم دھرے گا تب اسی سال کے اندر اندر راہی ملک بقا ہوگا''

''بھٹو جب جیل میں تھا تو 51 سال پورے ہونے پر جیل میں اس کا Birth-Day منایا گیا۔ کیک کاٹا گیا یہ خبر اخبارات، ایڈیو اور ٹیلی ویژن پر ساری دنیا میں نشر ہوئی۔ سب کو معلوم ہو گیا کہ بھٹو 51 سال پورے کر کے۔ اب 52 سال میں قدم رکھ چکا ہے۔ ابھی اس سال کے غالباً چار ماہ ہی گذرے تھے کہ بھٹو کو پھانسی ہو گیا۔ اور اس طرح ایک اور 90 سالہ مسئلہ حل ہو گیا۔ بھٹو عام جلسوں میں بڑے فخر سے کہا کرتا تھا کہ میں نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوا کر 90 سالہ مسئلہ حل کیا ہے جو مجھ سے پہلے کوئی بھی نہ حل کر سکا۔ سپریم کورٹ کے سامنے بھی اپنی اسلامی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے اُس نے کہا تھا میں نے 90 سالہ مسئلہ حل کر کے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ یہ بے دین انسان جس کو خدا اور رسولؐ سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا خدا کی گرفت سے کتنا بے خوف اور نڈر تھا۔ اور جب اپنی شوخی اور شرارت میں حد سے بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے آخر کار بری طرح پکڑ لیا۔ اس کے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو بھی نہ اس کا جنازہ نصیب ہوا اور نہ اس کا منہ دیکھ سکے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار''

## ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی ذمہ داریوں میں اضافہ

حضرت امیر دوم مولانا صدر الدین صاحب بوجہ پیرانہ سالی اور علالت مجلس منتظمہ اور معتمدین میں اکثر تشریف لا کر صدارت نہ فرما سکتے تھے ۔ اس طرح بہت سے فیصلوں میں التواء کی وجہ سے مرکز کے کاموں میں حرج واقعہ ہو رہا تھا۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے جون1979ء سے انجمن کے سینئر نائب صدر کو، امیر قوم کی عدم شرکت کے موقع پر فیصلوں کی توثیق اور اُن پر عملدرآمد کرانے کی ذمہ داری سونپ دی ۔ اُس وقت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سینئر نائب صدر تھے چنانچہ یہ ذمہ داری آپ ہی کے کندھوں پر آن پڑی اور آپ نے اسے بطورِ احسن ادا کیا، تاہم امیر قوم سے رہنمائی حاصل کرنے اور اُن سے ملاقات کا شرف حاصل کرنے کے لئے آپ بالالتزام احمدیہ بلڈنگس تشریف لے جاتے تھے اور اپنے امیر اور استادِ محترم کی معیت میں خوشگوار لمحات گزار کر دار السلام واپس لوٹتے تھے۔

جماعت بندی، اندرون ملک دوروں اور جماعت کے احباب کو فعال بنانے کے لئے آپ بدستور کوشاں رہتے تھے۔ ہر تقریب میں آپ، ضرور رونق افروز ہوتے اور اپنے نصائح اور موثر تقاریر سے جماعت میں ایک نیا ولولہ اور شوق پیدا کرنا آپ کے معمولات میں شامل رہتا تھا۔

## دفاتر انجمن کی دار السلام میں منتقلی مارچ1980ء

دار السلام میں دفاتر کی عمارت مکمل ہو چکی تھی ۔ یکم مارچ1980ء کو باقاعدہ طور پر تمام دفاتر یہاں منتقل کر دیئے گئے۔ اس سے قبل اکثر دفاتر احمدیہ بلڈنگس ہی میں تھے اور منتظمہ اور معتمدین کے اجلاس کا انعقاد بھی وہیں ہوتا تھا، اب 'دار السلام' جماعت کا مرکز بن گیا، تاہم امیر جماعت مولانا صدر الدین صاحب احمدیہ بلڈنگس میں ہی اقامت پذیر تھے اور احمدیہ بلڈنگس کو ایک خاص روحانی اہمیت حاصل تھی اور ہمیشہ رہے گی۔

## تربیتی کورس 'دار السلام' لاہور میں

ایبٹ آباد کے 'سمر سکول' کی افادیت کی تمام جماعت معترف تھی، ہر دل میں یہ خواہش تھی کہ اُسی قسم کا کوئی سلسلہ کسی دوسرے مقام پر قائم کیا جائے مگر لاہور کے علاوہ کوئی ایسی موزوں جگہ نظر میں نہ تھی لاہور میں موسم گرما میں ایسا انتظام ناممکنات میں سے نظر آتا تھا اور کوئی دوسرا موسم ایسا نہ تھا جب ملک میں بیشتر مقامات پر تعطیلات ہوں۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی اپنی یہی آرزو تھی کہ ایبٹ آباد کا پُر فضا ماحول نہ سہی مگر نوجوانوں کی تربیت کو کسی صورت نظر انداز نہ کیا جائے ۔ آپ نے تجویز دی، ہمت دکھائی، حوصلے بڑھائے تو انجمن نے لاہور میں تربیتی کورس کے آغاز کی اجازت دے دی۔ ابتدائی سالوں میں اپریل مئی کے مہینوں میں اس کا انعقاد کیا گیا اور پھر موسم گرما کی تعطیلات کو ہی زیادہ موزوں سمجھا گیا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان، خود اس کے لئے تحریک فرماتے تھے، کسی بھی مقام پر جلسے میں شرکت کے لیے جاتے تو ذاتی طور پر نوجوانوں کو لاہور آنے کی دعوت دیتے تھے ۔1980ء کے تربیتی کورس میں پچاس کے قریب طالب علم شریک ہوئے، پندرہ روزہ تربیتی کورس کے اختتام پر آپ باہر سے شرکت کے لئے آنے والے طلباء اور تمام اساتذہ کو اپنے گھر پر دعوتِ طعام دیتے تھے تاکہ اُن کی عزت افزائی ہو، اور جماعتی کاموں میں حصہ لینے کے لئے حوصلے بڑھیں۔

## قرآن اور عربی زبان کی تعلیم کا انتظام

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تحریک پر 'دار السلام' میں قرآن باترجمہ پڑھانے اور عربی زبان کی تعلیم کے لئے انتظام کیا گیا۔ مرزا عبد اللطیف شاہد صاحب اُستاد مقرر ہوئے ۔ کچھ حضرات و خواتین نہایت ذوق و شوق سے اس میں شمولیت کرنے لگے اور اس سے کافی مستفید بھی ہوئے ۔ مگر تعلیم کا یہ سلسلہ اس سبب سے جاری نہ رہ سکا کہ ان پُر شوق طلباء و طالبات میں سے اکثریت کا تعلق لاہور کے مستقل رہائشیوں کا نہ تھا اور وہ لاہور سے باہر چلے گئے ۔ باقی کے طالب علم عدم دلچسپی اور کم فرصتی کا شکار ہو گئے تو یہ سلسلہ ختم کرنا پڑا۔

## صالحہ ظہور احمد میموریل لائبریری

'دار السلام' کے داخلی دروازے کے قریب دائیں ہاتھ پر واقع

خوبصورت عمارت، صالحہ ظہور احمد میموریل لائبریری، کی ہے، جو جماعت کی ایک فیاض اور مخیّر خاتون صالحہ ظہور احمد صاحبہ کے نام پر اُن کی عطا کردہ رقم سے تعمیر ہوئی تھی۔ وہ ایک سماجی کارکن اور جماعت احمدیہ لاہور کی ایک سرگرم رُکن تھیں۔ اُن کی یہ خواہش تھی کہ 'دارالسلام' میں جو لائبریری بنائی جائے اُس کے تمام تر اخراجات وہ اُٹھائیں، چنانچہ اُن کی وفات سے چند ماہ قبل ہی اس کی تعمیر کا کام شروع کر دیا گیا تھا، مگر تکمیل بعد میں ہوئی۔ 1995ء میں نقشہ کے مطابق، ایک بڑا ہال تعمیر کیا گیا جس کے اخراجات بھی محترمہ صالحہ ظہور احمد اور چوہدری ظہور احمد صاحب کے اموال سے ہی ادا کئے گئے تھے۔

## محمد علی میموریل فری ڈسپنسری

مولانا محمد علی فری ڈسپنسری کا قیام بھی ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی مساعی کا مرہون منت ہے۔ عمارت کی تکمیل اور آراستگی کے بعد ایک جز وقتی ڈاکٹر اور ایک معاون کا انتظار کر دیا گیا تھا اور ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ذاتی طور پر اس کی نگرانی فرماتے تھے، چند سال یہ سلسلہ اس طرح چلتا رہا۔ بعد میں اس کی نگرانی مقامی جماعت کے سپرد کر دی گئی تھی۔

## میاں محمد احمد، خلف الرشید مولانا محمد علی کی وفات

23 جنوری 1981ء کو میاں محمد احمد صاحب انگلستان میں انتقال فرما گئے۔ میاں محمد احمد امیر اول، جماعت احمدیہ لاہور مولانا محمد علی کے صاحبزادے اور ڈاکٹر سعید احمد صاحب کے داماد تھے۔ اُن کی وفات سے، جہاں آپ کے عزیز و اقارب اور ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب بہت رنجیدہ خاطر تھے، وہاں اُن کے یوں بے وقت اس جہاں سے منہ موڑ لینے سے جماعت ایک قیمتی اثاثے سے محروم ہوگئی۔ جماعت کے کاموں میں وہ غیر معمولی دلچسپی رکھتے تھے۔ اور ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے کاموں میں نہایت مستعدی سے آپ کا ہاتھ بٹاتے تھے اپنے دفتری اوقات کے بعد، عموماً شام کے وقت وہ 'دارالسلام' تشریف لاتے اور وہ تمام کام جو اُن کے سپرد ہوتے تھے، اُن کی تکمیل فرماتے تھے۔ میاں محمد احمد صاحب، ملازمت سے سبکدوشی کے بعد اپنا تمام وقت جماعت کے لئے وقف کرنے کی آرزو اور ارادہ رکھتے تھے مگر اس کا موقع انہیں نہ مل سکا، مگر اس نیک ارادے سے وہ اجرِ عظیم کے حقدار ضرور ٹھہریں گے۔

چند ماہ قبل محمد احمد صاحب کا مرض، کینسر، تشخیص ہوا تھا، اور وہ علاج کے لئے انگلستان تشریف لے گئے تھے لیکن حکمِ خداوندی دُعا اور دوا سے نہ ٹل سکا اور آپ 23 جنوری 1981ء کو اپنے مولیٰ سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

## ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی ڈائری کی تحریر

''24 جنوری 1981ء چار پانچ روز پہلے محمد احمد کی شفایابی کے لئے بہت دُعا کی۔ آواز آئی ''جنازہ'' میں گھبرا کر چونک گیا اور بہت دُعا کی کہ یہ آواز درست نہ ہو لیکن قضائے مبرم کا علاج نہیں۔ یہ بات نوٹ کرنے یا کسی سے ذکر، طبیعت کو گوارا نہ تھا۔ دل میں ایک کھٹکا بہرحال غیر اختیاری تھا۔ 23 جنوری 1981ء جمعہ، محمد احمد لندن میں وفات پا گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ نے اُنہیں ہمارے ہاں چھوڑنے کے بجائے اپنے ہاں اُن کا بلانا پسند فرمایا۔ القلب یحزن والعین ندمع ولا نقول الا امر یرضی به ربنا. انا لله وانا الیه راجعون الهم اجرنا فی مصیبتنا واخلف لنا خیر اُمنها''۔

محمد احمد صاحب کی وفات پر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے 'پیغام صلح' کے لئے ایک مضمون بعنوان 'سب کا پیارا۔۔۔۔ محمد احمد'' تحریر فرمایا تھا اُس سے چند اقتباسات:

''ادارہ پیغام صلح کی طرف سے عزیزم محمد احمد مرحوم کی زندگی کے متعلق کچھ لکھنے کی مجھ سے بھی فرمائش کی گئی ہے۔ میں اپنی موجودہ ذہنی اور قلبی حالت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے کلماتِ طیبات سے بہتر کوئی چیز نہیں پاتا جو بیان کر سکوں اور وہ الفاظ ہیں؛

''العین ندمع والقلب یحزن ولا نقول الامایر ضی به ربنا انا لله وانا الیه راجعون''

''میری آنکھیں روتی ہیں اور دِل غمگین ہے مگر میں صرف وہی کہوں گا جس سے میرا رب راضی ہو کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے

والے ہیں''۔

''اتنے قریبی تعلقات کے باوجود اُن کی کم گوئی اور انتہائی سنجیدگی اور ہر قسم کی خودنمائی اور تصنع سے مبرا ہونے کی وجہ سے محمد احمد کو سمجھنے میں مجھے بھی دوسرے لوگوں کی طرح کچھ وقت لگا اور اُن کے صحیح مقام کا تعین مدتوں بعد ہوا۔ اور آہستہ آہستہ ان کی مخفی استعدادیں سامنے آئیں اور جب مرحوم کی عظمت پورے طور پر ہمارے لئے نمایاں ہوگئی تو مولا کریم نے اپنی کسی خاص حکمت کے تحت انہیں اپنے پاس بلا لیا اور وہ ہم سے جدا ہوگئے''۔

آپ نے مزید تحریر فرمایا: ''1974ء میں میرے لاہور آنے کے بعد جب ہمیں زیادہ قریب رہنے کا موقع ملا۔ تو محمد احمد مرحوم کی شخصیت کے مختلف حسین پہلو مجھ پر زیادہ واضح ہوتے گئے۔ اور جب انہوں نے تبلیغ بلادِ غیر کمیٹی کے ایک رکن کی حیثیت سے میرا ہاتھ بٹانا شروع کیا تو اُن کے بارہ میں مجھ پر ''الولد سرلابیہ'' کے معنی کھلے اور اُن میں حضرت امیر مرحوم کی ظاہری اور باطنی خوبیاں نمایاں نظر آئیں۔ مرحوم کو میں نے تحریر و تقریر دونوں میں اپنے عظیم باپ کا ثانی پایا۔ یہی وجہ ہے کہ جماعت کے لئے ہماری بہت سی اُمیدیں اُن سے وابستہ ہوگئی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ جو عالم الغیب ہے۔ اپنے راز خود ہی جانتا ہے اور ہم اس کی رضا پر راضی ہیں۔''

محمد احمد صاحب کے اخلاقِ فاضلہ اور حسنِ کارکردگی کی ایک دُنیا مداح ہے۔ مولانا محمد علی کی سوانح کی تالیف میں آپ نے جس قدر لگن اور محنت سے کام کیا، وہ کوئی اور، اس احسن طریق پر نہ کر سکتا تھا'۔ ''مجاہد کبیر'' کی صورت میں یہ تالیف سلسلہ احمدیہ کی کتب میں ایک گراں بہا اضافہ ہے۔

## دارالسلام میں پُر رونق تقاریب

دارالسلام میں مواقع کے لحاظ سے تقاریب کا انعقاد کوئی نئی بات نہیں۔ مگر دو تقاریب جن کا ذکر مقصود ہے اور اپنی نوعیت میں منفرد تھیں۔

## ہسپانوی مترجم کے اعزاز میں تقریب

ستمبر 1981ء میں ڈاکٹر سعید احمد صاحب اپنے بیرون ملک دورے سے واپس تشریف لے آئے تو آپ کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ ہسپانوی مترجم 'مس فرینکی' جو گذشتہ چند ماہ سے لاہور میں اس غرض سے مقیم تھیں کہ محترم نصیر احمد فاروقی صاحب قرآن کریم کے اس ہسپانوی ترجمہ کی پڑتال اور ہر طرح سے جانچ کر رہے تھے جو مس فرینکی نے کیا تھا یہ کام مکمل ہو چکا تھا اور وہ واپسی کے سفر کے لئے تیار تھیں۔ ڈاکٹر سعید احمد خان چاہتے تھے کہ مس فرینکی کی کسی طور پر عزت افزائی کی جائے۔ مگر مرکزی یا مقامی جماعت کی طرف سے کوئی ایسا اقدام نہیں کیا جا رہا تھا۔ آپ کی اس خواہش کا علم کچھ افراد کو ہوا تو انہوں نے رضا کارانہ طور پر ایک تقریب منعقد کرنے کا بیڑا اُٹھا لیا۔ اہالیانِ 'دارالسلام' سے عطیات کی تحریک ہوئی اور ہر بچے، جوان اور بزرگ نے اس میں خوشی خوشی حصہ لیا، اور ایک دن میں رقم جمع ہوگئی، تقریب کا اہتمام بھی ہوگیا اور محترمہ مترجم صاحبہ کو ایک ادنیٰ شال اور چار روپہلی چوڑیوں کا تحفہ بھی نذر کیا گیا۔ جس سے وہ بے حد متاثر اور خوش ہوئیں۔ اہل دارالسلام کے اس جذبے نے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو بے حد سرور اور طمانیت بخشی۔

## تقریب یوم محمد علی

مولانا محمد علیؒ کی یاد میں ہر سال 13 اکتوبر کو ایک تقریب کا انعقاد ہوتا تھا۔ اس سال بھی یہ تقریب ہوئی، جس میں مقررین نے مولانا محمد علیؒ کے افکار، اور شخصیت کے حوالے سے تقاریر کیں، مرزا مسعود بیگ صاحب اور ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تقاریر بالخصوص بے حد موثر ثابت ہوئیں۔ اس تقریب کو ایک خصوصیت یا انفرادیت اس طرح سے حاصل ہوئی کہ حاضرین کو ہالینڈ کی کنونشن کی ایک 'ویڈیو فلم' دکھائی گئی۔ یہ فلم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اپنے ہمراہ لائے تھے اور محترم اعزاز الٰہی صاحب کے تعاون سے یہ فلم تمام حاضرین کو دکھائی جاسکتی تھی۔ اور اس طرح پہلی بار، یہ اہتمام ہوا کہ بیرون ملک جماعتوں کی کارکردگی کو پاکستان میں بچشم خود دیکھا گیا تھا۔

حضرت امیر دوئم مولانا صدرالدین صاحب کچھ عرصہ سے صاحب فراش تھے، جلسہ سالانہ 1980ء میں بھی جماعت آپ کی ملاقات اور جلسہ میں رونق افروز ہونے سے محروم رہی تھی، اس کمی کو حاضرین جلسہ نے بے حد محسوس کیا تھا

اور ہر ایک لب پر اُن کی صحت اور زندگی کی دُعا تھی ۔1981ء کے ابتدائی مہینوں میں آپ کی صحت تیزی سے گرنے لگی اور کمزوری بہت بڑھ گئی ۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب، اکثر احمدیہ بلڈنگس آپ سے ملاقات کے لئے تشریف لے جاتے تھے مگر آپ کے آرام میں خلل واقع ہونے کے احتمال سے آپ کے اہل خانہ ملاقات کی اجازت کم ہی دیتے تھے۔ اس لئے آپ اُن کی دُختران اور فرزند سے احوال پوچھ کر لوٹ آتے تھے۔ آپ کی وفات سے دو روز قبل جمعہ کی شام کو ڈاکٹر صاحب بمع اپنی اہلیہ کے احمدیہ بلڈنگس ،مولانا صاحب کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے ۔ اولاً تو ملاقات کی اجازت نہ ملی مگر آپ کی اہلیہ محترمہ نے اتنا اصرار کیا اور مولوی صاحب سے اپنی عقیدت کی بنا پر ، ملاقات کی اجازت نہ ملنے سے اتنی بے چین ہوگئیں کہ مولوی صاحب کے فرزند انکار نہ کر سکے اور کمرے میں جانے کی اجازت دے دی۔ ڈاکٹر صاحب اپنے ، امیر کو اتنا کمزور اور بیمار دیکھ کر بہت آزردہ خاطر ہوئے اور اشکبار آنکھوں سے اپنے امیر کی خدمت میں آخری سلام پیش کر کے واپس لوٹ آئے۔

15 نومبر 1981ء طلوع صبح سے قبل حضرت مولانا صدرالدین صاحب ، جماعت احمدیہ کو سوگوار چھوڑ کر، اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب فوراً احمدیہ بلڈنگس تشریف لے گئے اور کچھ وقت آپ کے اہل خانہ کے ساتھ گذارا اور ہر طرح سے اُن کی دلجوئی فرمائی۔ سہ پہر کے بعد آپ دوبارہ احمدیہ بلڈنگس تشریف لے گئے تاکہ وہاں سے جنازہ کے ساتھ دارالسلام آئیں۔ مولانا صاحب، امیر دوم کے جنازہ کی امامت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے خود فرمائی تھی۔ دو سو سے زائد لوگ جنازہ میں شریک ہوئے ۔ حضرت مولانا صدرالدین صاحب کو تقریباً 30 برس تک جماعت احمدیہ لاہور کی امامت وقیادت نصیب ہوئی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر تقریباً ایک سو ایک برس تھی۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے آپ کے جنازہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا:

’’بعد از نماز جنازہ میرے دل میں رقت پیدا ہوئی اور لمبی دُعا کی توفیق ملی۔ لوگوں نے میت کی زیارت منظّم طریق سے کی جس کی میں نے ہدایت دی تھی‘‘۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اُس وقت تک قبرستان میں موجود رہے جب تک آپ کے اُستاد محترم اور امیر کی میت کی تدفیق کا کام مکمل نہ ہو گیا۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے حضرت امیر دوم کی وفات پر جو مضمون ’’حضرت مولانا صدرالدین صاحب مرحوم ومغفور‘‘ کے عنوان سے لکھا اُس میں سے چند اقتباسات:

’’15-14 نومبر کی درمیانی شب کو جماعت احمدیہ لاہور پر ایک بہت بھاری سانحہ گذرا۔ حضرت مولانا صدرالدین صاحب امیر جماعت اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے ساتھی ،تبلیغ دین کے سلسلہ میں طویل اور قیمتی خدمات بجالانے کے بعد، اپنے مولائے حقیقی سے جاملے اور جماعت کو ایک ناقابلِ تلافی نقصان اور صدمہ سے دوچار کر گئے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ آپ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے بانیوں میں سے ایک تھے اور تین مئی 1914ء کو اس انجمن کے قیام کے سلسلہ میں جو پہلی مجلس معتمدین قائم ہوئی آپ اُس کے رُکن تھے‘‘۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب 14-1913ء سے حضرت مولانا سے متعارف تھے جب وہ قادیان کے تعلیم الاسلام اسکول کے پرنسپل تھے اور ڈاکٹر صاحب ایک طالب علم ۔ اس وقت کی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے آپ نے تحریر فرمایا ہے:

’’مجھے آپ کو 14-1913 میں بڑے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا کیونکہ آپ اس زمانہ میں تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کے ہیڈ ماسٹر اور میں اس سکول کا طالب علم تھا۔ آپ کی پُر کشش شخصیت کے جو گہرے اثرات اس مختصر عرصہ میں میرے دل ودماغ پر مرتسم ہوئے وہ آج تک نہیں مٹ سکے اور نہ مٹ سکیں گے۔

''ہم سب جانتے ہیں کہ حضرت مولانا مرحوم قرآن کریم بڑی خوشی الحانی سے پڑھا کرتے تھے۔ سننے والوں پر اس کا ایک خاص اثر ہوتا تھا۔ خواہ وہ درس دیتے وقت پڑھتے یا تقریر سے پہلے اور خواہ نماز پڑھاتے وقت۔ قادیان میں طلباء بڑے اصرار سے آپ کو اس پر رضا مند کرتے کہ عشاء کی نماز آپ پڑھائیں۔ آپ ان کے اس مطالبہ کو کبھی قبول کر لیتے اور اُن کی خوشنودی کے لئے نماز پڑھا دیتے۔ اُن کی قرأت سے خواہ وہ کتنی ہی مختصر کیوں نہ ہوتی، قرآن کریم کے الفاظ دلوں میں اُتر جاتے۔ اس رنگ میں آپ نے جماعت کے بچوں کی تعلیم وتربیت میں جو کردار ادا کیا ہے اس میں آپ کا کوئی ثانی نہیں''۔

حضرت مولانا کے اعلیٰ ذوق اور بلند کردار کا ذکر آپ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

''آپ کی خوش لباسی، خوش کلامی، نفاست وظرافتِ طبع، جرأت مندی، مہمان نوازی اور بے داغ بلند اخلاقی کی بدولت آپ کی شخصیت میں ایک خاص جاذبیت تھی۔ بلند اخلاقی اور اعلیٰ کردار کا یہ عالم تھا کہ جوانی کے عالم میں، انگلستان اور جرمنی میں تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے۔ مردانہ حسن ووجاہت سے بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا تھا لیکن آپ نے اپنے دامن کو کبھی تر نہ ہونے دیا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ ہمارے احمدیہ انجمن اشاعت دین لاہور سے تعلق رکھنے والے بزرگوں کے اخلاق وکردار پر کسی کو کبھی اُنگلی اُٹھانے کی جرأت نہیں ہوئی۔ وہ جہاں بھی گئے، لوگوں کے سامنے اپنا پاک نمونہ چھوڑ کر آئے۔ مغربی تہذیب کی حیا سوزی اور بے باکی اُنہیں متاثر نہ کر سکی برلن کی خوبصورت مسجد اور اس کا محل وقوع اور جرمن ترجمۃ القرآن آپ کی نفاستِ طبع کے منہ بولتے ثبوت ہیں۔''

حضرت مولانا کی خوش بیانی اور پُرتاثیر تقاریر کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے تحریر فرمایا:

''آپ ایک نہایت خوش بیان مقرر تھے۔ سیرت پر جب آپ اپنے مخصوص انداز میں بولتے تو سامعین پر ایک وجد طاری ہو جاتا۔ اس موضوع کو نبھانے میں آپ کی نظیر دیکھنے میں نہیں آئی۔ ایک بار، حضرت امیر جناب مولانا محمد علی صاحب (اللہ کی رحمتیں ان پر ہوں) نے بھی آپ کی تعریف فرماتے ہوئے کہا کہ اللہ نے مولوی صدرالدین صاحب کو سیرت پر تقریر کرنے کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا ہے اور یہ اُن کا ہی حصہ ہے۔''

اپنے مضمون کو آپ نے ان الفاظ پر ختم فرمایا:

حضرت امیر دوم کی خدماتِ دینیہ بطور اُستاد، بطور امام، بطورِ مبلغ اور بطور امیر جماعت احمدیہ لاہور کا اعتراف کرتے ہوئے اور خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اپنی تحریر کو ان الفاظ پر ختم فرمایا:

''آپ کی وفات سے جماعت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے اور آپ کی جدائی کو بڑی شدت سے محسوس کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو قربت سے نوازے اور جنت الفردوس میں داخل فرمائے۔ آمین

''جماعت احمدیہ کے لئے آپ نے جو خدمات انجام دی ہیں اُن کی وجہ سے اُن کی یاد ہمارے دلوں میں ہمیشہ قائم رہے گی اور ہم انہیں کبھی نہ بھول سکیں گے۔''

پروفیسر نورالدین زاہد نے حضرت امیر مولانا صدرالدین صاحب کی وفات پر ایک نظم لکھی تھی۔ اس کا آخری شعر یہ تھا:

دمبدم یارب رساں برروحِ پاکش صد سلام
کہ براہِ حق متاعِ جان قربان کرد ورفاقت

اور یہ ایک شعر حضرت امیر مرحوم کی تمام زندگی کا خلاصہ ہے کہ حق کی راہ میں اپنی متاعِ جان تک قربان کر دی اور اس دارِفانی سے رخصت ہو گئے۔

(جاری ہے)

☆☆☆☆

# بیعت کی ضرورت واہمیت

تنویر احمد

## مجدد صد چہاردہم حضرت مرزا غلام احمدؒ اور بیعت:

حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؒ کے اکثر مرید عموماً اس خواہش کا اظہار کیا کرتے کہ اُن سے بیعت لی جائے، مگر آپ کو جناب الٰہی کی طرف سے حکم نہیں ہوا تھا۔ اس لئے آپ ہمیشہ بیعت لینے سے انکار کرتے رہے۔ لیکن یکم دسمبر 1888ء کو آپ نے اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بیعت لینے اور ایک جماعت تیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اس کے متعلق اپنا الہام بھی شائع کیا۔ فاذا عزمت فتوکل علی اللہ۔ واصنع الفلک باعیننا و وحینا۔ ترجمہ: یعنی خدا پر بھروسہ کر اور ہماری آنکھوں کے روبرو اور ہمارے حکم سے کشتی تیار کر۔

کشتی کے متعلق یہ تفہیم ہوئی کہ اس سے مراد ایک جماعت ہے۔ ساتھ ہی اس بیعت کے بارے میں یہ الہام ہوا کہ " ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ" ترجمہ: کہ بیشک جو لوگ تیری بیعت کرتے ہیں وہ اللہ کی بیعت کرتے ہیں۔

## بیعت کی ضرورت کیوں پیش آئی:

حضرت صاحب کے دعوئ مجددیت کے زمانہ میں بھی اسلام سخت نرغہ میں تھا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے لائے ہوئے دین کو دشمنان اسلام، عیسائی، آریہ اور دہریہ وغیرہ مل کر کچل ڈالنا اور ہلاک کر دینا چاہتے تھے۔ اس لئے مشیت الٰہی نے یہی چاہا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر ایک جماعت مجاہدین اور اسلام کے فدائیوں کی ایسی بنائی جائے جس سے وہی عہد لیا جائے جو صحابہ کرامؓ سے حدیبیہ کے موقعہ پر لیا گیا تھا۔

## بیعت لینے کا طریق:

چنانچہ اسی الہام کے ماتحت حضرت مرزا صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالی نام احمد پر بیعت لینی شروع کی اور اس بیعت میں بیعت کرنے والے کو کلمۂ شہادت پڑھایا جاتا تھا۔ اس کے بعد گناہوں سے توبہ کروا کے آئندہ گناہوں سے بچنے کا اقرار لیا جاتا تھا اور اس کے بعد ایک عہد لیا جاتا تھا جو بطور جان اور اصل کے تھا اور وہ یہ تھا کہ "میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا"۔ یعنی اسلام کے لئے مال جان خواہشات نفس غرض کہ دنیا کی ہر ایک چیز کو قربان کرنے کے لئے تیار ہوں۔ پس یہ بیعت معمولی صوفیوں کی بیعت نہ تھی بلکہ یہ اس بیعت کے رنگ میں تھی جو صحابہ کرام سے حدیبیہ کے مقام پر لی گئی تھی اور جس پر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نہایت خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ یہ بیعت حضرت مرزا صاحب مرید کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں رکھ کر لیا کرتے تھے سوائے مستورات کے کہ ان کو ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا حکم نہ تھا۔ صرف حضرت صاحب کے ساتھ ساتھ منہ سے بیعت کے الفاظ دہرانے پڑتے تھے البتہ اگر کوئی شخص دور ہو اور حاضر نہ ہو سکے تو بذریعہ تحریر بھی بیعت کر سکتا تھا مگر تحریر میں انہی الفاظ کو دہرانا پڑتا تھا کم از کم ان الفاظ کا مفہوم اپنے ذہن میں رکھنا پڑتا تھا۔ آپ نے اپنے ہر ایک مرید کے لئے ان دس شرائط بیعت کو پورا کرنا ضروری قرار دیا جو حسب ذیل ہیں۔

## دس شرائط بیعت:

**1۔ بیعت کنندہ سچے دل سے عہد کرے کہ اُس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے مجتنب رہے گا۔**

**2۔ یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بدنظری اور ہر ایک فسق و فجور اور ظلم اور خیانت اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا۔ اور نفسانی جوشوں کے وقت اُن کا مغلوب نہیں ہوگا اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آئے۔**

**3۔ یہ کہ بلاناغہ پنجوقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ادا کرتا رہے گا۔ اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر**

درود بھیجنے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مدامت اختیار کرے گا اور دلی محبت سے اللہ تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اُس کی حمد اور تعریف کو ہر روز اپنا ورد بنائے گا۔

4۔ یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں۔

5۔ یہ کہ ہر حال رنج اور راحت اور عسر اور یسر اور نعمت اور بلا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا اور بہر حالت راضی بقضا ہوگا۔ اور ہر ایک ذلّت اور دُکھ کے قبول کرنے کے لئے اُس کی راہ میں تیار رہے گا۔ اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اُس سے منہ نہیں پھیرے گا۔ بلکہ قدم آگے بڑھائے گا۔

6۔ یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہواوہوس سے باز آجائے گا۔ اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے پر قبول کرے گا۔ اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنی ہر ایک راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔

7۔ یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلّی چھوڑ دے گا اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔

8۔ یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردئ اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ عزیز سمجھے گا۔

9۔ یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا۔ اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائے گا۔

10۔ اس عاجز سے عقد اخوت محض للہ باقرار اطاعت در معروف باندھ کر اس پر تاوقت مرگ قائم رہے گا۔ اور عقد اخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہوگا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو۔

یہ وہ دس شرائط بیعت ہیں جو حضرت مرزا صاحب نے اپنے حلقہ بیعت میں داخل ہونے والوں کے لئے مقرر فرمائیں۔ ان شرائط بیعت کے اجزاء پر قرآن وسنت اور حضرت صاحب کے اقوال سے تفصیلی جائزہ انشاء اللہ اگلی قسط میں پیش کیا جائے گا۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆

## درخواست دُعا

اپنے بھائی، بہنوں کی اعانت ہمارے فرائض میں شامل ہے اور سب سے بہترین اعانت دعا ہے۔ درج ذیل احباب جماعت مختلف عوارضِ جسمانی میں مبتلا ہیں۔ مرکز میں ان کے لئے تمام نمازوں میں دعا کی جارہی ہے۔ تمام قارئین ''پیغام صلح'' سے درخواست ہے کہ وہ اپنی اجتماعی اور انفرادی دعاؤں میں ان احباب کے نام شامل رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو صحت کاملہ وعاجلہ عطا فرمائے۔ آمین

سید ناصر احمد صاحب، (انگلستان) چوہدری ناصر احمد صاحب (شاہدرہ) لالہ سلیمان صاحب، (لاہور) چوہدری ریاض احمد صاحب، (لاہور) والدہ فضل حق (وہاڑی) بھانجی عتیق الرحمٰن، (لاہور) مظہر حیات (ملتان)۔

## وفات حسرت آیات

قارئین پیغام صلح کو یہ پڑھ کر انتہائی دُکھ ہوگا کہ مبارک احمد صاحب (راولپنڈی کھنہ جماعت)، طاہر بخش (فجی)، بشریٰ رضوی (کراچی) قضائے الٰہی سے وفات پاگئے ہیں۔

**''ہم اللہ ہی کے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں''**

ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ اللہ مرحومین کی بشری کمزوریاں، لغزشیں اور خطائیں معاف فرمائے، ان کو جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام دے اور ان کے پیچھے اُن کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

مدثر عزیز (مدیر) پیغام صلح انٹرنیشنل نے دفتر 8-7 برنیئر سٹریٹ 10713 برلن (جرمنی) سے شائع کیا

# سلام بحضور امام عالی مقام

(حضرت امام حسینؑ کی بارگاہ میں عقیدت کا ادنیٰ سا تحفہ)

عتیق الرحمان

حسینؑ تیری ذات، تیرے نام کو سلام ہے
صبح تک درود ہے پھر شام کو سلام ہے

توکلِ لا انتہا، پروردگار کی رضا
اے نفسِ مطمئنہ تیرے کام کو سلام ہے

ستم کسی حساب میں نہ زخم کسی نصاب میں
تیرے درد کو ستائشیں، آلام کو سلام ہے

جسم و سر کٹے ہوئے، خاک میں اٹے ہوئے
ہر طرف جلے ہوئے خیام کو سلام ہے

بہتروں نے کر دیا، اک رات میں کیا معجزہ
کسی ایک کو نہیں یہاں، تمام کو سلام ہے

موت میں سکت نہیں، تیرے نام کو، مٹا سکے
تیری زندگی کی ہمیشگی و دوام کو سلام ہے

جھکا نہیں جو سر تیرا، کٹ کے بھی بلند تھا
اے سر تیری بلندیِ مقام کو سلام ہے

جو جی رہے وہ کہیں نہیں، جو مر گئے وہ ہر جگہ
یا رب فنا بقا کے نظام کو سلام ہے

تعبیر لاالہ تو ، تفسیر لاالہ تو
اطاعتِ ذوالجلالِ والاکرام کو سلام ہے

دین کی پناہ ہے ، تو اصل بادشاہ ہے
تیرا فقیر شاہ ہے ، ہشام کو سلام ہے

تیرا صبر کرے بیاں ، وہ زباں ، ملے کہاں
سجود میں ہیں آسماں قیام کو سلام ہے

حق گو اور راستباز ، جانتے ہیں تیرا راز
ہو جس کا تو آغاز ، اس انجام کو سلام ہے

سلام اس کے پیام کو سلام اس کے کلام کو
سلام ہے امام کو، امام کو سلام ہے